وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض

تحریکِ خُدّامِ اہلِ سُنّت کا ترجمان نظامِ خلافتِ راشدہ کا داعی

جلد 34 شمارہ 1 - جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ، جنوری 2021ء

جاری کردہ
قائدِ اہلِ سُنّت وکیلِ صحابہ رضی اللہ عنہم مظہرِ شریعت وطریقت
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ
بانی تحریکِ خُدّامِ اہلِ سُنّت پاکستان

خدایا اہلِ سُنّت کو جہاں میں کامرانی دے — خلوص و صبر و ہمت اور دیں کی حکمرانی دے

تیرے قرآن کی عظمت سے پھر سینوں کو گرمائیں — رسولؐ اللہ کی سُنّت کا ہر سو نور پھیلائیں

وہ منوائیں نبیؐ کے چار یاروں کی صداقت کو — ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ کی خلافت کو

صحابہؓ اور اہلِ بیتؓ سب کی شان سمجھائیں — وہ ازواجِ نبیؐ پاک کی ہر شان منوائیں

حسنؓ کی اور حُسینؓ کی پیروی بھی کر عطا ہم کو
تُو اپنے اولیاء کی بھی محبت دے خدا ہم کو

صحابہؓ نے کیا تھا پرچمِ اسلام کو بالا — اُنہوں نے کر دیا تھا روم و ایراں کو تہ و بالا

تیری نصرت سے پھر ہم پرچمِ اسلام لہرائیں — کسی میدان میں بھی دشمنوں سے ہم نہ گھبرائیں

تیرے کُن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل — عروج و فتح و شوکت اور دیں کا غلبۂ کامل

ہو آئینی تحفظ[1] ملک میں ختمِ نبوت کو — مٹا دیں ہم تیری نصرت سے انگریزی نبوت کو

تُو سب خدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی
رسولِ پاکؐ کی عظمت، محبت اور اطاعت کی

تیری توفیق سے ہم اہلِ سُنّت کے رہیں خادم — ہمیشہ دینِ حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم

نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہرِ ناداں
تیری نصرت ہو دُنیا میں قیامت میں تیری ظلّ

[1] الحمد للہ! تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ مطالبہ منظور ہو چکا ہے اور آئینِ پاکستان میں قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔

2
یا اللہ مدد
اصل کلمہ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ
تحریک خدام اہل سنت کا ترجمان، نظام خلافت راشدہ کا داعی
خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
ماہنامہ
حق چاریار رضی اللہ عنہم
لاہور
خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
جلد 34 شمارہ 1 - جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ، جنوری 2021ء
جاری کردہ
قائد اہل سنت وکیل صحابہ مظہر شریعت وطریقت
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین
بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان
زیر نگرانی
جانشین قائد اہل سنت
حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ
امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان
مدیر مسئول
حافظ محمد مسعود صاحب
نائب مدیر
ماسٹر منظور حسین صاحب
قاضی طاہر حسین جرار صاحب 0333-5783036
بدل اشتراک
اندرون ملک: فی پرچہ 40 روپے سالانہ چندہ 400 روپے
بیرون ملک مشرق وسطیٰ 85 ریال ○ امریکہ ویورپ ○ برطانیہ 20 پونڈ
رابطہ
دفتر ماہنامہ حق چاریار متصل جامع مسجد میاں برکت علی
مدینہ بازار، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور
0322-4135093
0302-4166462
پبلشر حافظ محمد مسعود نے افضل شریف پرنٹرز سے چھپوا کر ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

❀❀❀❀

پی۔ڈی۔ایم تحریک اور قومی ڈائیلاگ کی ضرورت

امیر تحریک مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ ☆

وطنِ عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کی رواں حکومت ،جس کی 2018ء کے الیکشن میں کامیابی پر آئی۔ایس، پی ،آر کے ترجمان میجر جنرل آصف غفور نے و تعز من تشاء و تذل من تشآء لکھتے ہوئے قوم کو اپنے ٹویٹ کے ذریعے مبارک باد دی تھی۔اب تقریباً اپنا نصف وقت پورا کر چکی ہے۔ کارکردگی کو دیکھا جائے تو عوام تو عوام محکمہ زراعت بھی اب اپنی نرسری میں لگائے پودوں سے مایوس ہو چکا ہے۔یہ پودے پھل، پھول تو درکنار اپنی ہریالی بھی برقرار نہیں رکھ پائے۔گویا آپ کہہ سکتے ہیں:

حسرت ہے ان غنچوں پر
جو بن کِھلے مرجھا گئے

ایسے میں اپوزیشن کی گیارہ جماعتی پی ڈی ایم کی احتجاجی تحریک گوجرانوالہ، کوئٹہ، پشاوراور کراچی کے اب بعد لاہور میں ’’گو عمران گو‘‘ کی صدائیں بلند کرتی حکومت گراؤ مہم کا پہلا مرحلہ مکمل کر چکی ہے۔ہمارے فہم میں پی ڈی ایم کے احتجاجی جلسوں میں کرونا کے خطرات اور حکومتی رکاوٹوں کے باوجود عوامی شرکت پی ٹی آئی حکومت کی ناکام معاشی پالیسیوں کے خلاف اپنے غم وغصہ کا اظہار ہے۔ یہ احتجاجی لہر محض جمہوری حکومت کے خلاف احتجاج نہیں بلکہ لب ولہجہ کی تلخی اور وضاحت طلبی سوالات کا رُخ ان اداروں کی طرف ہے جن کی بدولت یہ ناکام حکومت برسرِاقتدار آئی اور وہ اب بھی اسے سہارا دیئے ہوئے ہیں۔چنانچہ پی ڈی ایم کے لاہور جلسہ میں بعض سربراہان کا کہنا تھا:

اسٹیبلشمنٹ بمقابلہ عوام (مولانا فضل الرحمٰن)

(بی بی سی اُردو 14- دسمبر 2020ء) پی ڈی ایم کے صدر مولانا فضل الرحمٰن نے لاہور جلسے سے خطاب کرتے ہوئے اسلام آباد مارچ کے حوالہ سے کہا کہ ’’عوام کو رستہ دیں ورنہ یہ

☆ امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت، پاکستان 0543-543444
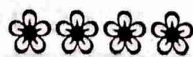
اسٹیبلشمنٹ بمقابلہ عوام بھی ہوسکتا ہے'' انہوں نے کہا میں آج اپنی دفاعی قوت اور اسٹیبلشمنٹ کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ ''اب کہیں وہ دن نہ دیکھنا پڑیں کہ جہاں اسٹیبلشمنٹ بمقابلہ پاکستان کے عوام ہوں'' مولانا فضل الرحمٰن نے متنبہ کیا کہ ''عوام کو راستہ دیں۔ عوام کو اسلام آباد پہنچنے دیں۔ حکومت عوام کی ہوگی دھاندلی کا نظام نہیں چلے گا۔'' جلسے سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ اس ناجائز حکومت کے لیے اسٹیبلشمنٹ نے جو دھاندلی کی تھی اب اس کے زخم گہرے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ''آج طے کیا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کی خودمختاری ہوگی۔ پارلیمنٹ کو یرغمال نہیں بننے دیا جائے گا اور ایک آزاد عدلیہ کا تصور دیا جائے گا۔ آزادانہ انتخاب کا انعقاد کرایا جائے گا۔ صوبوں کے حقوق اور اٹھارویں ترمیم کا تحفظ کیا جائے گا۔''

فوج کو متنازعہ نہ بنایا جائے (نواز شریف)

(بی بی سی اُردو 14- دسمبر 2020ء) سابق وزیراعظم نواز شریف نے خطاب میں کہا کہ اس نظام کو بدلے بغیر اب کوئی چارہ نہیں۔ یہ ملک مزید غیر جمہوری مداخلت کی تاب نہیں لاسکتا۔ جو دخل اندازی کرتے ہیں میں ان سے کہتا ہوں کہ یہ ملک اب جام ہو چکا ہے۔ اب یہاں ہائی جیک جمہوریت نہیں چل سکتی۔ سابق وزیراعظم نے کہا کہ ہمیں ایسا ملک چاہیے جس میں ریاست کے اوپر ریاست نہ ہو۔ کیا ہم انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد چند جرنیلوں کے غلام بن جائیں؟ کیا اس قسم کی غلامی آپ کو قبول ہے؟ سابق وزیراعظم نے ملک کو درپیش بحران کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اس سارے معاملے کا کیا صرف عمران خان اکیلا ہی ذمہ دار ہے؟ انہوں نے یہ بھی کہا کہ (فوج) سیاست سے دور رہے۔ اپنے ادارے کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال مت کرو (سیاسی) انجینئرنگ کی فیکٹریاں بند کرو۔ انتخابات چوری مت کرو۔ ووٹ کو عزت دو۔ اور فوج کو متنازع مت کرو۔''

بات چیت کا وقت گزر چکا (بلاول بھٹو)

(بی بی سی اُردو 14- دسمبر 2020ء) پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''اب کوئی اور راستہ نہیں۔ ڈائیلاگ، شائیلاگ (بات چیت) کا وقت گزر چکا۔ اب لانگ مارچ ہوگا۔ اسلام آباد ہم آرہے ہیں۔

بلاول بھٹو نے کہا کہ اب فون کرنا چھوڑ دو۔ اب ہم اسلام آباد پہنچ کر نالائق اور جعلی حکمران کا

استعفیٰ چھین لیں گے۔ ہم کٹھ پتلی کو للکار رہے ہیں۔ ہم ان کے سہولت کاروں کو للکار رہے ہیں تا کہ ہم عوام کو ان کا حق اقتدار دلاسکیں۔

کون سی پارلیمنٹ؟ (مریم نواز)

(بی بی سی اُردو 14- دسمبر 2020ء) لاہور جلسے سے خطاب کرتے ہوئے سابق وزیراعظم نوازشریف کی بیٹی مریم نواز نے کہا کہ ''اب عمران خان کہتا ہے کہ وہ پارلیمان میں بیٹھ کر اپوزیشن سے بات کرنے کو تیار ہے۔'' اس کے بعد مریم نواز نے کہا کہ ''کون سی پارلیمنٹ؟'' ''وہی جو آئی ایس آئی کا ایک ریٹائرڈ جنرل چلا رہا ہے۔ کیا وہاں بیٹھ کر بات ہوگی؟'' مریم نواز نے دعویٰ کیا کہ ''اس ریٹائرڈ جنرل کا نام پورا اسلام آباد جانتا ہے۔''

انہوں نے وزیراعظم عمران خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ: ''اب تمہیں جانا ہوگا''

محترم قارئین! لاہور جلسہ کے سربراہان کے لب ولہجہ کو ملاحظہ کیجیے۔ بی این پی کے سربراہ اختر مینگل، جناب محمود خان اچکزئی، آفتاب احمد خان شیر پاؤ اور دیگر مقررین بھی کچھ کم نہیں گرجے برسے، بلکہ ان کی گفتگو میں گرج چمک بھی زیادہ تھی اور روئے سخن میں بھی کوئی لگی لپٹی نہ تھی۔

ہمارے فہم میں ملکی سیاست کی افہام وتفہیم، تحمل ورواداری سے محرومی اور برداشت کی جگہ اشتعال انگیزی وتوہین تضحیک کی جو روایت چل پڑی ہے یہ انتہائی نقصان دہ ہے۔ 2018ء کے قومی انتخابات کے دھاندلی زدہ ہونے کے بارے میں جس سیاسی تنازع نے جنم لیا ہے ایسے لگتا ہے کہ وہ روز بروز مفاہمت کے بجائے تصادم کی طرف بڑھ رہا ہے۔ قابل غور امر یہ بھی ہے کہ بے روزگاری، مہنگائی اور وزیراعظم سمیت وزراء کے غیر معقول بیانات پی ڈی ایم تحریک کے حق میں جلتی پر تیل ثابت ہورہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک طرف حکومت اپنی کارکردگی پر غور کرتے ہوئے مفاہمت و قومی ڈائیلاگ کا ماحول سازگار بنائے۔ تو دوسری طرف اپوزیشن زعماء بھی تصادم کے بجائے مذاکرات کے لیے فضاء ہموار کریں۔ کیونکہ قوم کو مستقبل کے غیر یقینی اندیشوں سے نجات دلانے کے لیے بالآخر قومی ڈائیلاگ کی راہ ہی ہموار کرنا پڑے گی۔

سوال تو یہ بھی ہے کہ: محکمہ زراعت اپوزیشن کے لب ولہجہ سے چھلکتا ''انارکی الارم'' محسوس کرتے ہوئے اپنی اداؤں پر بھی کچھ غور کرے گا؟

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

فیوضاتِ مظہرؒ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآنی وایمانی صفات

قائد اہل سنت وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ ☆

خطاب: بمقام تھوہا محرم خان (چکوال) ۱۵ر مارچ ۱۹۸۱ء	ضبط وترتیب: ماسٹر منظور حسین

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔

ترجمہ: ”بیشک، تحقیق راضی ہوگیا اللہ مومنوں سے، جس وقت کہ وہ مومن آپ کی بیعت کر رہے تھے۔ ایک درخت کے نیچے۔ ”فعلم ما فی قلوبھم“ پھر اللہ نے اُن کے دلوں کا حال معلوم کیا، پھر ان پر اپنی خاص رحمت نازل فرمائی اور اُن کو نزدیک کی فتح عطا کی۔ اور بہت سی غنیمتیں جو آگے ان کو ملیں گی وہ حاصل کریں گے اور ہے اللہ بڑے زور والا، بڑی حکمت والا“۔ (پ ۲۶، سورۃ فتح)

○...... برادرانِ اہل سنت والجماعت! یہ جلسہ حافظ ریاض صاحب کے حافظ بن جانے کی خوشی میں ہو رہا ہے۔ حافظ ریاض کا قرآنِ مجید کا حافظ بن جانا مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو مرتے دم تک قرآنِ مجید کا ادب، علم اور اس کے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ دنیا میں کتنی کتابیں ہیں؟ ہزاروں، لاکھوں، گنی نہیں جاسکتیں، لیکن اللہ کی کتاب، جس کو کتاب اللہ کہتے ہیں وہ صرف قرآنِ مجید ہے۔ سنی مدرسوں میں اسی قرآن کے حافظ بن رہے ہیں۔ خدا جانے کتنے حافظ ہر سال پڑھ کر نکلتے ہیں، قاری بنتے ہیں، پھر عالم بنتے ہیں۔

○...... درجے ہیں علم کے سب سے پہلا درجہ قرآن کے علم کا ہے، قرآنِ مجید کو دیکھ کر پڑھنا، جسے ناظرہ کہتے ہیں دوسرا درجہ ہے یاد کرنا، حافظ بن جانا، پھر درجہ تیسرا قرآنِ مجید کا ترجمہ، مطلب سمجھ جائے،

☆ بانی تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان، خلیفۂ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

عالم بن جائے۔ پھر علم کے بھی درجے ہیں، پھر قرآنِ مجید جس مقصد کے لیے آیا ہے وہ ہے عمل، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے قرآنِ مجید کے اندر حکم فرمایا ہے، نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو، جہاد کرو، تبلیغ کرو، لوگوں سے اچھا سلوک کرو، حتیٰ کہ نکاح، طلاق، عدت، مسلمانوں کے لیے جتنے شریعت کے مسئلے ہیں، وہ سارے اصولی طور پر قرآنِ مجید کے اندر ذکر فرما دیئے ہیں۔ عقیدے، عمل، عبادتیں ہر چیز قرآنِ مجید کے اندر ذکر فرما دی ہیں۔ جس طرح یہاں پیسوں کی قدر اور ضرورت ہے، سودا بازار سے نہیں ملتا۔ اسی طرح جنت کا سودا بغیر نیکیوں کے نہیں ملتا۔ وہاں کے پیسے نیکیاں ہیں۔ اور وہ نیکیاں یہاں پر کرنی ہیں۔ اس جہان میں۔ اُس جہان میں صرف دو چیزیں کام دیں گی۔ ایک ایمان، دوسرا نیک عمل۔ جو کچھ کرنا ہے، نیکیاں اکٹھی کرنی ہیں، گناہوں سے بچنا ہے اس جہان میں، مرنے کے بعد کہے کہ یا اللہ نیکی کروں گا، وہ اس وقت نہیں ہوسکتی۔ اس وقت تو بدلہ ملے گا۔ آج تم نے جو کچھ بو دیا، وہاں فصل ملے گی۔

○......ہم جو تبلیغی جلسے کرتے ہیں، ہماری جماعت کا نام خدام اہل سنت والجماعت ہے کہ سنی مسلمانوں کی ہم نے خدمت کرنی ہے۔ محض اس واسطے کہ ہم سچا مذہب سنی سمجھائیں۔ سچے مذہب کے ساتھ جنت ملتی ہے۔ اگر کوئی آدمی مذہب اختیار کرتا ہے لیکن وہ سچا نہیں، تو وہ جتنی بھی محنت کرے گا مرنے کے بعد سب ختم ہوجائے گی۔ کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تو سب سے پہلے یہ پہچانو کہ سچا مذہب کون سا ہے؟ پھر عمل نیکی کرو گے تو ان شاء اللہ قبول ہوگی۔

○......ایک شخص اسلام کو مانتا ہے، دوسرا اسلام کو مانتا ہی نہیں۔ جیسے ہندو، سِکھ، عیسائی، کہتا ہے کہ میں اسلام کو نہیں مانتا۔ ہر مسلمان کہتا ہے، میں اسلام کو مانتا ہوں۔ اسلام کو ماننے کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، یہ تو سمجھتے ہو کہ سارے دینوں میں سچا دین کونسا ہے؟ اسلام، باقی سارے کفر ہیں، لیکن اب اسلام کا نام لینے والے جو ہیں اُن کا راستہ بھی الگ الگ ہے۔ اسلام کا نام لینے والے، الگ عقیدے، علیحدہ علیحدہ عمل ہیں، علیحدہ اصول ہیں، الگ کلمے ہیں تو اس لیے اب پہچاننا یہ ہے کہ جتنے فرقے اسلام کو زبان سے مانتے ہیں اُن میں سے کون سا سچا ہے؟ اب مرزائیوں کو دیکھو۔ جھوٹے نبی کو ماننے کی وجہ سے پاکستانی قانون میں بھی کافر قرار دیئے گئے ہیں لیکن وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اسلام کو مانتے ہیں۔ ہم سنیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اولیاء، غوث، قطب، جتنے بھی اللہ کے

پیارے ہوئے ہیں سب کا عقیدہ ہے کہ قرآن برحق ہے، قرآن اللہ تعالیٰ نے جس ذات پاک پر نازل فرمایا، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر، حضور برحق، برحق تو سب فرشتے، پیغمبر بھی ہیں لیکن حضور ﷺ جیسا رب نے نہ آج تک پیدا کیا اور نہ آگے پیدا کرے گا۔ کوئی پوچھے کہ تم جو کلمے میں پڑھتے ہو ''محمدٌ رسول اللہ'' تو محمدٌ رسول اللہ کی کیا شان ہے؟ رسول تو پہلے بھی ہوئے ہیں، حضور ﷺ آخری رسول ہیں۔ تو تم اپنا عقیدہ بتاؤ گے، صحیح عقیدہ سنیوں کا اسلام کا کہ فرشتے بھی اعلیٰ، پیغمبر بھی اعلیٰ، اور ہر پیغمبر گناہ سے پاک، معصوم، پیغمبروں سے کوئی گناہ نہیں ہوتا، نہ چھوٹا نہ بڑا، وہ تو پاک ہی پاک ہوتے ہیں، ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے انسان ہوتے ہیں۔ تو ساری مخلوق سے، فرشتوں سے بھی زیادہ، اللہ کے سچے پیغمبروں کا درجہ ہے۔ یاد رکھو! پیغمبروں سے بڑھ کر رب نے اور کوئی مخلوق نہیں بنائی۔ اور پھر سب پیغمبروں میں سے، سارے فرشتوں میں سے، ساری مخلوق رب ہی جانتا ہے۔ فرش سے لے کر عرش تک، اعلیٰ سے اعلیٰ، رب کی پیاری سے پیاری، اور ساری مخلوق سے اعلیٰ، سب سے اونچی شان والے، جن سے اونچا مخلوق میں سے، رب نے کوئی پیدا نہیں کیا۔ وہ ہمارے رسولِ پاک حضرت محمد مصطفیٰ، سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ پاک ہے، حضور ﷺ جیسا کوئی نہیں، آپ ﷺ کی ہر صفت اعلیٰ۔

○ ...... ہمیں قرآن ملا تو رسولِ پاک ﷺ سے، رب بھی ملا تو رسولِ پاک ﷺ سے، جنت کا راستہ ملا تو رسولِ پاک ﷺ سے۔ نہ کسی نے جنت دیکھی، نہ کسی نے رب کو دیکھا ہے، نہ کسی پر قرآن کی وحی آئی ہے؟ ہم نے یہ ساری باتیں کہاں سے مانیں؟ ایک ذاتِ پاک محمد رسول اللہ ﷺ کو مان لیا بس۔ جو حضور ﷺ نے فرمایا حق ہے۔ جو کیا حق ہے۔ اصل سب سے زیادہ مرکز، جہاں سے سارا دین ملتا ہے۔ رب بھی وہاں سے ہی ملتا ہے۔ سبحان اللہ۔ اس واسطے اللہ نے حضور ﷺ کو خاص خاص ایسی، شانیں دی ہیں کہ اور کسی پیغمبر کو بھی وہ نہیں دیں۔ وقت کم ہے۔ قرآنِ مجید میں رسول پاک کی ایک صفت بیان کی ہے ''وما ارسلنٰك الا رحمة للعالمين'' اے میرے رسول ﷺ، آپ کو ہم نے بھیجا تو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔ کتنی شان ہے؟ ساری چیزیں آگئیں۔ اللہ کی رحمت جس کو ملے گی حضور ﷺ کو ماننے کے بعد ملے گی۔ جو حضور ﷺ سے ٹوٹ گیا۔ اللہ کی رحمت سے محروم ہو گیا۔ روزی تو یہاں پر ربّ نے دینی ہے۔ عزت رب نے دینی

ہے۔ آزمائش ہے، فرعون بھی بادشاہ رہا ہے۔ رحمت اور چیز ہوتی ہے۔ رحمت وہ ہوتی ہے بھئی، جس پر ربّ راضی ہوجائے، چاہے وہ بھوکا ہے، چاہے وہ کمزور ہے، اور ربّ کی رحمت اس کے اوپر ہے، اُس پر ربّ راضی ہے، مرنے کے بعد جنّتی، قبر میں بھی رحمت، ایک ہوتا ہے غضب، ایک ہوتی ہے رحمت، کافروں کے پاس دولت بھی ہے، عزت بھی، حکومت بھی، سب کچھ، لیکن اللہ کا غضب ہے اُن پر، جب تک توبہ نہیں کریں گے۔ اور ایک مسلمان غریب ہے، سُوکھے ٹکڑے کھاتا ہے، اس کا معمولی گھر ہے اور وہ ربّ کا پیارا ہے کیونکہ اس نے ربّ کے رسول ﷺ کو مان کر ربّ کو مانا ہے۔

○......"وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰالمين" اے میرے پیارے ﷺ، سب جہانوں کے لیے آپ ﷺ کا وجود رحمت بنا کر بھیجا ہے، ربّ کی رحمت لینی ہے تو حضور ﷺ کے ساتھ تعلق پیدا کر لو، محبت، عقیدت، عظمت کا، کیا معنیٰ؟ بھئی! جس طرح حضور ﷺ کو بنایا ہے، وہ ساری شانیں مان لو بس، کہو یا اللہ! جب سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، خاتم النبیین بنا کر بھیجا، بشیر و نذیر بنا کے بھیجا، سراجِ منیر بنا کر بھیجا، تو میں مانتا ہوں تیری ساری مخلوق میں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، سب سے اعلیٰ، تو ایمان ٹھیک ہوجائے گا۔ سمجھ لو! حضور ﷺ سے ہی دین ملا، حضورؐ ہی سے ایمان ملا۔ حضورؐ ہی سے جنت کا راستہ ملا۔ حضور ﷺ ہی سے ربّ ملا، سب کچھ، اس طرح حضور ﷺ کو مانیں تو ایمان ہوگیا کہ نہ؟

ہم نے رسولِ پاک ﷺ کو اس جہان میں دیکھا ہے؟ خواب اور کشف تو علیحدہ چیز ہے۔ حضور ﷺ کو تم نے آمنے سامنے دیکھا ہے کہ حضور آگے مصلّے پر کھڑے ہوں، ہم پیچھے نماز پڑھ رہے ہوں؟ نہیں، جس طرح آمنے سامنے تم مجھے دیکھ رہے ہو۔ میں تمھیں دیکھ رہا ہوں۔ امام صاحب یہاں کھڑے ہوں گے تم پیچھے نماز پڑھو گے، وہ وضو کریں گے تم دیکھو گے، قرآن پڑھے گا تم سُنو گے، اس طرح، کوئی اس زمانے کا آدمی ہے جو کہہ سکے؟ بھئی! ہم کہتے ہیں؟ ہم نے حضور ﷺ کے اس طرح جلوے نہیں دیکھے، لیکن ہمارا ایمان ٹھیک ہوگیا، اگر اسی طرح ایمان رہا تو اللہ کی رحمت سے چودہ سو سال کے بعد ہمیں جنت مل سکتی ہے جس وقت یہ قرآن آسمانوں سے آیا تو جس وقت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اس جہان میں، مکہ شریف یا مدینہ شریف میں تشریف رکھتے تھے، لوگ دیکھتے تھے، ماننے والے بھی دیکھتے تھے، نہ ماننے والے بھی دیکھتے تھے، یعنی ایک وہ وقت تھا کہ رحمۃ للعالمین سب کے سامنے تشریف رکھتے تھے، ابوجہل بھی دیکھتا تھا، کفر کی نگاہ سے، ابوبکر صدیقؓ بھی دیکھتے تھے،

محبت، ایمان، عشق کی نگاہ سے۔ دیکھتے تو سارے تھے ناں؟

اب آگے جو مسئلہ سمجھا رہا ہوں وہ سمجھو! آج ہم نے چودہ سو سال کے بعد مانا۔ ہمیں امید ہے ناں؟ جنت کے لیے ہی مانا۔ اور جنہوں نے اس وقت حضور ﷺ کا آمنے سامنے آنکھوں سے دیدار کر کے مانا اور حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اور کلمہ پڑھا اور ان کا کلمہ قبول کیا۔ بتاؤ وہ جنتی ہیں کہ نہ؟ ان کے جنّتی ہونے میں کوئی شک رہ جاتا ہے؟ ہمیں تو اپنے بارہ میں شک ہوسکتا ہے کہ نہ، کہ کونسا راستہ ہو؟ وہ جلوے جو اُن کو نصیب تھے، وہ تو آج کسی نے دیکھے ہی نہیں ناں؟

○......بھئی! آج حاجی ہزاروں خرچ کر کے جاتے ہیں کہ اللہ کا گھر اور حضور ﷺ کی مسجد و روضہ پاک دیکھیں۔ حضور ﷺ کے روضہ پاک کو دیکھ کر صلوٰۃ و سلام پڑھیں، تم کہتے ہو خوش نصیب ہیں، مبارکیں دیتے ہو کہ نہ؟ اُن سے پوچھو بھئی! رسولِ پاکؐ کے پیچھے تم نے نماز پڑھی ہے؟ رسولِ پاکؐ کی زبان مبارک سے قرآنِ مجید تم نے سنا؟ کہیں گے نہیں۔ خواب علیحدہ ہے۔ یاد رکھو! پھر بھی خوش نصیب، اُس جگہ سے ہو کر آنے والے خوش نصیب، اور جو حضور ﷺ کے ساتھ ہیں؟ جتنے بھی لوگ حج کے لیے یا مدینہ شریف حضور ﷺ کے روضے کی زیارت کے لیے جاتے ہیں، لوگ یہی کہتے ہیں کہ جی بڑی خوش نصیبی ہے۔ یہی کہتے ہیں کہ نہ؟ اے اللہ کے بندو! آج کا حاجی دل سے حج کرے تو گناہ سارے معاف ہوگئے، تو جو حاجی رسولِ پاک کے ساتھ حج کر رہے ہیں؟ حضور ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں؟ حضورؐ سے بیعت ہو رہے ہیں، ہمارا سُنیوں کا عقیدہ ہے کہ اُن سے افضل، پیغمبروں کے بعد اور کوئی نہیں۔ وہ افضل ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، ہماری بیویاں مومن ہیں اور اصحاب نہیں۔ حضور ﷺ کی بیویاں نہیں۔ معاذ اللہ میں تو سمجھ رہا ہوں۔ اللہ اُن کو عقل ہدایت دے، اُن کا مذہب کیا ہے؟ اگر اُن کو حضورؐ کے جلوے آنکھوں سے دیکھ کر بھی کچھ نہیں ملا (معاذ اللہ) تو آج چودہ سو سال کے بعد کس کو ملے گا، کیا ملے گا؟ کہ جس نے دیکھا بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کے اندر حضورؐ کے صحابہؓ کی خود شانیں بیان فرمائی ہیں یہ آیات سمجھ لو سارا دین تمہارا حل ہو جائے گا۔

○......اللہ پاک نے قسم اٹھا کر فرمایا! ''لقد'' عربی قاعدہ ہے۔ ''لقد رضی اللہ عن المؤمن'' بے شک، تحقیق، اس میں شک نہ کرنا۔ کس نے فرمایا؟ اللہ نے اے ایمان والو! قرآن کی تو کسی آیت میں شک نہیں ناں؟ لیکن یہاں پر فرمایا کہ جو کچھ میں بتا رہا ہوں اُس میں شک نہ کرنا۔

اور مومن تو شک نہیں کرتا۔ ربّ نے جو فرمایا، بے شک، تحقیق، ''رَضِیَ اللّٰہُ'' اللہ راضی ہوگیا، ہمیں کوئی پتہ ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہوگیا؟ امید ہے ناں؟ اور جن کے متعلق قسم اٹھا کر فرمایا کہ میں راضی ہوگیا۔ کن سے راضی ہوگیا؟ ''عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ'' مومنوں سے، ایمان والوں سے، کافروں سے تو نہیں راضی ہوا؟ کھوٹو سے نہیں نہیں راضی ہوا؟ جو ربّ کے نزدیک ایمان والے ہیں، اُن سے راضی ہوگیا۔ ربّ ہی اُن کو ایمان والا سمجھتا ہے جو دل کا حال جانتا ہے۔ اللہ راضی ہوگیا، ایمان والے مومنوں سے۔ مومن تو ہم بھی ہیں، اللہ کے فضل سے۔ سمجھو! اللہ راضی ہوگیا مومنوں سے، جن کے سینے میں ایمان ہے ناں، اُن سے ربّ راضی ہوگیا۔ کافروں سے تو نہیں راضی ہوتا۔ یہاں پر ہمارا ذکر نہیں، ہم تو وہاں تھے ہی نہیں۔ یہ اُن مومنوں کا ذکر ہے کہ جو اُس وقت رسولِ پاک ﷺ کے پاس تھے۔ اور تھے کس شان میں؟ ''لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ'' وہ مومن ہیں، اُن پر اُس وقت راضی ہوگیا جس وقت ایک درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر وہ بیعت کر رہے تھے۔ کیسا نقشہ ربّ نے بیان فرمایا؟ بھئی! آج بھی چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی بزرگوں کی بیعت ہے، لیکن ایک رحمۃ للعالمینؐ کے ہاتھ ہوں، اور صحابہؓ کے ہاتھ ہوں، تو اس بیعت کے ساتھ کوئی ملتی ہے؟ اصل بیعت تو وہ ہے ناں؟ اُن کو مانیں گے تو ہماری ٹھیک ہوگی، ان کو نہیں مانتے، پھر تو بیعت کا مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ اللہ نے قرآنِ مجید کے اندر ان آیات میں اُس بیعت کا ذکر کیا جو صحابہؓ نے رسولِ پاک کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کی۔

○......ایک درخت کے نیچے حضور ﷺ بیٹھے ہیں، کیکر کا درخت تھا، وہ کیسی مقدس و مبارک جگہ ہوگی، جہاں خود حضور ﷺ تشریف فرما ہیں چودہ سو اصحاب اس وقت موجود ہیں مختصر واقعہ بتا دوں، ہجرت کر کے رسولِ پاک ﷺ مدینہ شریف پہنچے۔ تو لڑائیاں شروع ہوگئیں بدر، اُحد، خندق ساری، چھ سال بعد رسول پاک ﷺ کو شوق پیدا ہوا، بھئی! خانے کعبے کا دیدار کر آئیں، چودہ سو صحابہؓ کو ساتھ لیا مکہ شریف ایک منزل رہ گیا تو حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈالا، حدیبیہ اس جگہ کا نام تھا۔ قریش کو پتہ چل گیا کہ حضور ﷺ ایک لشکر لے آئے ہیں، اُن کو خطرہ پیدا ہوگیا کہ مکہ پر چڑھائی کرنے آئے ہیں، دشمنی جو تھی، انہوں نے وفد بھیجا کہ حضور ﷺ سے یہ کہو کہ تم واپس چلے جاؤ، ہم آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ مکہ میں زور تو ان ہی کا تھا۔ رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا کہ تم تسلی رکھو ہم بالکل لڑائی کے لیے نہیں آئے، ہم نے کعبے کی زیارت اور عمرہ کرنا ہے، پھر مدینہ واپس

چلے جائیں گے، لیکن وہ حضور ﷺ کی زبان پر اعتبار کرتے تو کلمہ پڑھ کر مسلمان نہ ہوجاتے؟ انہوں نے کہا ہم داخل نہیں ہونے دیتے۔ اور حضور ﷺ کی کوشش یہ تھی کہ یہ کچھ مان جائیں لڑائی تو مقصد نہ تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، رسول پاک ﷺ کے بہت پیارے صحابی، داماد بھی۔ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ بھی داماد۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دوہرے داماد، دو صاحبزادیاں حضور ﷺ کی، ایک فوت ہوئیں تو آپ کے نکاح میں دوسری آئیں۔ ہم تو سب کو مانتے ہیں ناں؟ یہ سُنّی مذہب ہی ہے جو سب کو مانتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول پاک ﷺ نے سارے صحابہ میں سے چُن کر فرمایا کہ تم مکہ شریف جاؤ، کوشش ہے ناں؟ کیونکہ مقصد تھا خانے کعبے کا طواف کرنا ہے۔ زیارت کرنی تھی، آپ کی برادری کے لوگ وہاں ہیں، بعض دفعہ برادری کے آدمی کی بات لوگ مان لیتے ہیں، شاید تمہاری ہی مان لیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضور ﷺ کو کتنا اعتبار اور یقین تھا؟ اپنے جو ہوئے، دشمن کے پاس پرائے کو تو آدمی نہیں بھیجتا؟ وہ تو مل جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کو انہوں نے کہا کہ ہم اجازت نہیں دیتے۔ خبر یہ مشہور ہوگئی، اللہ کی حکمت تھی، کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے قریش نے شہید کردیا۔ یہ خبر اُڑ گئی، جس وقت اللہ کی طرف سے وحی نہ آئے، اس وقت تک پتہ نہیں ہوتا کہ بات ہے کیا؟ وحی سے تو ساری حقیقت کُھل گئی ناں۔ لیکن ربّ وحی بعض دفعہ نہیں بھیجتا، آزمائش کے لیے، اس کی حکمت، رسولِ پاک ﷺ کے ساتھ جو چودہ سو اصحاب عمرہ کے لیے آئے تھے، آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا، یہ خبر ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا ہے، تو پھر ہم نے بدلہ لینا ہے۔ بدلہ لیے بغیر ہم واپس نہیں جاتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کتنے پیارے ہیں؟ سب صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی شان ہے لیکن اس موقعہ پر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی ربّ نے جو شان بتائی، شک رہتا ہی نہیں، فرمایا! تم باری باری آکر میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرو۔ کہ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے جان دینی ہے۔ ہم موت کے لیے تیار ہیں۔ کوئی معمولی بات ہے؟ حضرت عثمانؓ پیارے ہوئے ناں بھائی؟ حضورؐ فرمادیں تو کون کہتا ہے کہ میں نہیں مانتا؟ یہ تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔

اب جو بات یہاں میں سمجھانا چاہتا ہوں، بعد میں خبر آگئی کہ حضرت عثمانؓ سلامت ہیں، کافروں نے ویسے روک رکھا ہے، لیکن وہ زندہ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو مکہ میں بیٹھے ہیں اور حضورؐ یہاں ہیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا! تم تو موجود ہو، میرے حکم سے تم نے کہا کہ جان حاضر ہے۔ اور عثمانؓ موجود نہیں اگر وہ بھی موجود ہوتے اور میں ان کو بھی حکم دیتا کہ تُو بھی جان دے، تو وہ

بھی دیتے۔ لیکن اب تو موجود نہیں۔ دیکھو! کتنا اعتبار ہے؟ سبحان اللہ! حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ ہوتے تو جس طرح تم میرے حکم سے جان دے رہے ہو، ان کو میں فرماتا تو وہ بھی دیتے۔ لیکن وہ ہیں مکے شریف میں، فرمایا یہ دیکھو! یہ ہاتھ ہے تو میرا، لیکن یہ اس وقت عثمانؓ کا سمجھو۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر فرمایا کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو اس بیعت میں خود غائبانہ شامل کر لیا ہے۔ شیعوں کی کتابوں میں پڑھ لو فروعِ کافی وغیرہ، نہ اُن سے پوچھا، نہ اُن کو پتہ، حد ہے ناں؟ بھئی! پوچھیں نہ تو شک رہتا ہے ناں؟ ہیں ہی نہیں، لیکن یہ کون بیعت کر رہے ہیں، اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ کہہ رہے ہیں؟ سرورِ کائنات ﷺ، کہ اُن جیسا ربّ نے نہ کسی کو بنایا نہ بنائے گا۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو یہ شان دی، ہم کون ہیں؟ حضور ﷺ کو حضرت عثمانؓ سے پیار ہے تو ہمیں بھی ہے۔

پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں ''لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ''، قسم کھا کر فرمایا تا کہ کوئی مومن شک نہ کرے۔ بے شک، تحقیق اللہ راضی ہو گیا مومنوں سے، کونسے مومن؟ کب راضی ہوا؟ جس وقت وہ مومن ایک درخت کے نیچے، آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، باقیوں تو خود بیعت بیعت کر رہے تھے، حضرت عثمان کو حضور ﷺ نے خود شامل کیا۔ اب چاروں یار اس بیعت میں آ گئے کہ نہ؟

○ ...... یہ کہتے ہیں کہ اندر سے بیعت نہیں کی تھی، اوپر اوپر سے کی تھی؟ بھئی! تم کو کیا پتہ ہے اُن کے دلوں کا؟ اوپر اوپر سے کرتے تو ربّ راضی ہو جاتا؟ ربّ نے پھر آگے یہ بھی تشریح کی ''فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ'' کہ میں اس لیے راضی ہوا ہوں کہ ان کے دل کا حال میں نے جان لیا ہے، کہ وہ بیعت دل سے کر رہے ہیں۔ بھئی! ربّ اس پر راضی ہو سکتا ہے جو دل سے کھوٹا ہو؟ ربّ کو معلوم ہے کہ جان حضور ﷺ کے عشق کے لیے دے رہے ہیں، حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ پر تو شک ہو ہی نہیں سکتا، اُن کو تو حضور ﷺ نے خود شامل فرمایا؟ وہاں تو شک کی گنجائش ہی کوئی نہیں؟ اور باقیوں پر اس لیے شک نہیں ہو سکتا کہ ربّ راضی ہی نہ ہوتا، اگر وہ دل سے بیعت نہ کرتے؟ کہنا آسان ہوتا ہے، موت قبول کرنی مشکل ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ربّ نے اس لیے بیان کی، بھئی نیک تو تھے، نمازی بھی تھے، تہجد خواں بھی تھے، درود شریف بھی پڑھتے تھے، زکوٰۃ بھی دیتے تھے۔ حج بھی کرتے تھے لیکن سب سے بڑی صفت جان دینی مشکل ہے، ربّ نے فرمایا۔ مدینہ کہاں، مکہ کہاں، اردگرد کافروں کا گھیرا ہے لیکن انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کا حکم ہے ہماری جان حاضر ہے۔ اللہ

نے فرمایا میں راضی ہوگیا۔ یا اللہ! تو اُن پر راضی ہوگیا تو ہم بھی راضی ہیں۔ اب بتاؤ! جو اُن پر راضی نہیں تو اس کا ٹھکانہ کیا ہوگا؟ ربّ نے تو قسم اٹھا کر فرمایا میں راضی ہوگیا۔

○...... چار یارؓ ان میں موجود ہیں کہ نہ؟ تو اُن پر بھی راضی ہوگیا ناں؟ اور ربّ راضی اس لیے ہوا کہ انہوں نے آخری سانس تک کوئی کام ایسا نہیں کرنا، جو مجھے ناراض کرے۔ ورنہ ربّ راضی ہونے کا اعلان ہی کیوں کرتا؟ اس لیے اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے، علماء، اولیاء، غوث، قطب، مجددین کا کہ اُن پر ربّ راضی ہوا، اور ہم بھی راضی ہیں۔ یعنی ہمارا ایمان ہے کہ یا اللہ! یہ تیرے پاک بندے تھے، تو راضی ہوگیا، تُو نے ان کو جنتی بنا دیا، ہمیں ان کے متعلق شک شبہ نہیں رہ گیا۔ اب چار صحابہؓ جو ہیں، پہلے خلیفہ رسولِ پاکؐ کے کون بنے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، یہاں پر ربّ راضی ہوا کہ نہ؟ جو کہتے ہیں کہ انہوں نے خلافت چھینی تھی؟ ربّ کو پتہ نہ تھا کہ انہوں نے خلافت چھیننی ہے تو آج راضی کیوں ہو رہا ہے؟ یا اللہ بتا دیتے کہ اس پر میں راضی نہیں؟ عجب سنیوں کی یہ دلیل ہے۔ سب پر راضی ہوگیا، سارے صحابہ خلیفہ نہیں بنے۔ جنتی تو ہوگئے، لیکن ان میں سے باری باری چار خلیفے بنے۔ ہم کہتے ہیں کہ ربّ راضی ہوگیا اُس وقت درخت کے نیچے، تو نعوذ باللہ انھوں نے پھر حضرت علیؓ کی خلافت چھیننی تھی؟ وہ تو چاروں ایک ہیں سبحان اللہ! تین نے خود بیعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کی، چوتھے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شامل فرمایا، ان چاروں پر شک کرنے والا کیسے ایماندار ہوسکتا ہے؟ چاروں کا ایک راستہ، ایک عقیدہ، ایک شریعت، ایک دین، ایک کلمہ، پہلے خلیفہ ابوبکرؓ بنے، وہی بنے جن پر ربّ آج راضی ہوگیا، پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنے، جن پر آج ربّ راضی ہوا، تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ، حضرتِ عثمانؓ ہی کی وجہ سے تو سب پر اللہ راضی ہوئے۔ چوتھے خلیفہ حضرت علی المرتضیٰؓ، چاروں [illegible] راضی ہوا، اس لیے وہ خلیفے غلط نہیں بن سکتے۔ ربّ کی رضاء سے خلیفے بنے ہیں، کہو خلافتِ راشدہ، حق چار یارؓ، حق چار یارؓ مانو تو یہ بیعت بھی مانی گئی، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی مانی گئی، قرآن کا حکم بھی مانا گیا، اگر کہو کہ چار نہیں [illegible] ہیں، خارجیوں کی طرح یا کہو تین نہیں ایک ہیں ہم کہتے ہیں چاروں برحق ہیں۔ سب اصحاب، پاک بیویاں، چاروں صاحبزادیاں، اہلبیت جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کر کے فیض پایا سارے جنتی، برحق ہم کسی کو کچھ کہہ نہیں سکتے۔ ہم کیا ہیں اور تم کیا ہوں؟

❂❀★❀❂

چراغِ ہدایت

ارشادات و کمالات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ

داعیانِ اسلام...... علمائے کرام یا حکمران!

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلاهادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان محمد عبده ورسوله۔ وصلى الله عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم كما يحب ربنا ويرضى۔

حضرات کرام! مجھے شک نہیں اور نہ کسی مسلمان کے لیے اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہے کہ اسلام تا قیامت قائم و دوائم رہے گا۔ کیونکہ اسلام کسی خاص قوم کا کلچر نہیں۔ بلکہ وہ ایسے ہمہ گیر قوانین کا نام ہے جن کو فطرت سلیم اس وقت سے تسلیم کیے ہوئے ہے، جب سے انسان نے خداشناسی اور معرفت الٰہی کو نصب العین اور دینداری و دین پسندی کو وظیفہ عمل بنایا۔ ان الدين عندالله الاسلام ! موجودہ دنیا لفظ اسلام سے خواہ کتنا ہی گریز کرے۔ مگر اسلام کے اصول ونظریات غیر شعوری طور پر اختیار کرتی جارہی ہے اور جیسے جیسے فلسفہ اور سائنس کی موشگافیاں حقیقت سے قریب ہوتی جائیں گی ان اصولوں کی صداقت وحقانیت نکھرتی جائے گی اور حقیقت پسند انسانوں کی گردنیں اس کے تسلیم کرنے کے لیے جھکتی جائیں گی۔ اسلام کے اصولوں کو تسلیم کرانے کے لیے نہ کبھی قوت وحشمت اور تیغ وسنان کی ضرورت پڑی۔ نہ آج ضرورت ہے۔ نور کو نور اور روشنی کو روشنی تسلیم کرنے کے لیے صرف چشم بینا کی ضرورت ہے اور اتنا انصاف درکار ہے جو روزِ روشن کو شب تار کہنے کی اجازت نہ دے سکے۔ اس لیے کتاب اللہ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان فرمادیا ہے کہ: ''لا اكراه فى الدين قدتبين الرشد من الغى۔'' علماء ملت اس نمائشی اسلام کو تسلیم نہیں کرتے جس کے لیے قلب سلیم میں تسلیم ورضا کی گنجائش نہ ہو۔ مگر ہاں اس موقع پر ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ یعنی اسلام کا مستقبل بھی روشن ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم جیسے بدنام کنندگان اسلام کا مستقبل بھی روشن ہو۔

ہم اگر اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں تو شرط یہ ہے کہ اسلام سے زیادہ سے زیادہ وابستہ ہوں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن رحمت کو زیادہ سے زیادہ مضبوطی سے سنبھالیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ ''وانتم الاعلون ان کنتم مومنین '' ترجمہ: ''تم ہی سر بلند ہو گے۔ بشرطیکہ صاحب ایمان ہو'' یہودی و نصاریٰ کو ان کے اس تصور نے برباد کیا کہ وہ خواہ کچھ ہوں۔ ان کے اخلاق و اطوار خواہ کیسے ہوں۔ وہ اللہ کے محبوب اللہ کے پیارے اور لڑکے بالے ہیں۔ نحن ابنؤ الله و احباء ہ!

مگر کتاب اللہ نے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے نہایت صفائی سے اعلان فرمایا ہے کہ: '' بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ '' کیوں نہیں جو برائی کا مرتکب ہو اور اس کے گناہ اس کو گھیر لیں تو یہ دوزخ والے ہیں۔ ہمیشہ اسی آگ میں رہیں گے۔ یعنی رنگ و نسل قبیلہ اور خاندان کا کوئی امتیاز نہیں۔ امتیاز اخلاق و کردار کا ہے۔ اسلام کا جامہ پہن کر اگر ایمان و اسلام کی حقیقت بھی اختیار کرتے ہوں تو بے شک سر بلندی تمہارا حصہ ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین حق کے لیے تمہاری حاجت نہیں ہے۔'' وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ '' اگر تم منہ موڑو تو اللہ تمہارے سوا کوئی دوسری قوم بدل دے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

حفاظت اسلام کے نعرے بہت بلند کیے جاتے ہیں مگر اس کے عملی پہلو سے ہم خود گریزاں رہتے ہیں۔ اسلام کوئی مجسمہ نہیں جس کی حفاظت کے لیے لاؤ لشکر کی ضرورت ہو۔ آپ اپنے میں اسلام سمو لیجیے۔ آپ خود بھی محفوظ ہو جائیں گے اور اسلام بھی محفوظ ہو جائے گا۔ عمل سے گریز اور زبان پر دعویٰ۔ (معاذ اللہ)

کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا ما لاتفعلون! خدا کے نزدیک یہ بہت ہی بغض اور نفرت کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرو نہیں۔

اسلامی تاریخ سے سبق

عزیزانِ ملت! شمع جہاں بھی ہو پروانے خود بخود قربان ہونے کے لیے دوڑتے ہیں۔ نہ لالچ دلانے کی ضرورت ہے نہ ڈرانے دھمکانے کی۔ صرف فطرت کی سلامتی درکار ہوتی ہے اور یہ کہ نور شمع بے حجاب ہو۔ بد قسمتی سے آج ہمارے اخلاق و اعمال شمع اسلام کے لیے حجاب بنے ہوئے ہیں۔ ہم

اپنے اعمال واخلاق کونور ایمان کا آئینہ دار بنالیں تو پروانے خود بخود لپکیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی حکومت نہیں رہی۔ ان کا اقتدار ختم ہوگیا ہے تو ترقی اسلام کے امکانات بھی ختم ہوگئے ہیں۔ مگر تم ہی بتاؤ کہ کیا کبھی مسلمانوں کے دور حکومت میں عیسائی مشنریوں کی طرح روپے کی بکھیر کی گئی؟۔ این جی اوز کی طرح لالچ دیا گیا۔ اسلام کو بدنام کرنے والے عیسائی مورخین کچھ بھی لکھیں۔ مگر تم خود اپنے عقیدہ اور یقین کو ٹٹولو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اسلام محمود غزنویؒ، شہاب الدین غوریؒ، شمس الدین التمشؒ، شیر شاہ سوریؒ، شاہ جہاںؒ و عالمگیرؒ کے رعب داب اور ان کے فاتحانہ عزائم سے پھیلا ہے۔ اگر ان کے قومی جھنڈے اشاعت اسلام کے علمبردار ہوتے تو خود ان کے پایۂ تخت اور خاص ان علاقوں میں جو ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے بارہا پامال ہوتے رہے ہیں غیر مسلموں کی اکثریت باقی نہ رہتی۔ بلکہ مسلمانوں کی اکثریت ہوتی۔

آگرہ، قنوج، دہلی، فتح پور سیکری، جہاں ان کجکلاہوں کی پرشکوہ عمارتیں اور یادگاریں آج بھی شوکت وعظمت کا مرثیہ پڑھ رہی ہیں اور ان کے مضافات میں کبھی مسلمانوں کو اکثریت نصیب نہیں ہوئی۔ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان اضلاع میں مسلمانوں کی تعداد دس پندرہ فی صدی سے زیادہ نہیں ہے۔ حق اور سچ یہ ہے کہ شیخ ابوعلی سندھیؒ، شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ، بہاء الدین زکریاؒ ملتانی، خواجہ غریبؒ نواز، معین الدین حسن السنجری اجمیریؒ، شیخ احمد بن یحیٰ منیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید الدینؒ شکر گنج، خواجہ نظام الدین دہلویؒ، ان جیسے اولیاء کے انفاس قدسیہ اور ان کے روحانی فیوض و برکات اور ان کی بے لوث ہمدردی، خلق خدا جس سے آج تک غیر مسلم بھی متاثر ہیں۔ اشاعت اسلام کا ذریعہ بنی۔ کیونکہ ان بزرگوں کے اعمال و اخلاق شمع اسلام کے لیے حجاب نہیں تھے۔ بلکہ وہ اس مقدس شمع کے آئینہ دار تھے۔ جن کی طرف حق وصداقت کے پروانے خود بخود دوڑے آئے اور اپنی ارادت وعقیدت کی پونجی ان کے قدموں پر نثار کردی۔

شہاب الدین غوریؒ کی تلوار کسی ایک کافر کے دل کو بھی صداقت اسلام کے اعتراف کے لیے نہیں جھکا سکی ہوگی۔ مگر اسی بادشاہ کے زمانہ کا درویش جن کو ہم خواجہ غریب نوازؒ کہتے ہیں شہاب الدینؒ سے تقریباً بیس سال پہلے اس علاقہ میں آچکا تھا۔ وہ بغیر کسی فوجی طمطراق کے فقیرانہ شان میں دہلی سے روانہ ہوکر اجمیر پہنچتا ہے تو خواجہ غریب نواز کے کسی معتقد کی نہیں، اسلام کے کسی گرویدہ اور

شیدائی کی نہیں بلکہ اسلام کے سخت مخالف مسٹر آرنلڈ مصنف پریچنگ آف اسلام کی تحقیق یہ ہے کہ صرف ایک سفر میں اسلام کے اس سچے نمونے رحمت اللعالمین ﷺ کے سچے عاشق صادق ہمدردی خلق خدا کے پیکر اور انس و محبت کے اس چشمہ شیریں کی غریب نوازی سے متاثر ہو کر سات سو خاندان شمع اسلام کے پروانے بنتے ہیں اور حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں۔ خود آپ کے مولد (گجرات) میں نویں صدی ہجری کے شروع سے لے کر دسویں صدی ہجری کے ختم تک تقریباً دو سو برس تک بڑی شان و شوکت والے مسلمان بادشاہ حکومت کرتے رہے۔ ان کی نیک نفسی، ملک پروری، عدل و انصاف تاریخ میں مشہور حقیقت ہے۔ لیکن آپ کیا اسلام کے داعی اور مبلغ یہ شاہان گجرات تھے یا علاقہ کے اولیائے کرام جیسے شیخ حسام الدین عثمان ملتانی، شیخ یعقوب بن مولا خواجگی، قطب طریقت گنج بخش شیخ احمد کبتو، سید برہان الدین، شیخ مخدوم جہانیاں، شیخ عبدالمفتاح، شارح مثنوی شیخ کبیرالدین ناگوری، سید علی بن عبدالرحیم رفاعی، علامہ وجیہہ الدین علوی، مولانا محمد بن طاہر، شیخ محمد غوث گوالیاروی، سید کمال الدین قزوینی، سید شرف الدین مشہدی، سید یحیٰی بن علی ترمذی، علامہ کمال الدین خوارزمی رحمہم اللہ قدس اسرارہم جیسے علماء اور مشائخ کے چشمہ فیض سے تشنہ لبان صداقت سیراب ہوئے اور ان کے مقدس چراغ دانوں سے شمع اسلام کی کرنیں پھوٹیں۔

یہ درست ہے کہ مسلمان فرمانرواؤں کے اقتدار سے بسا اوقات ان بزرگوں کو اپنے اصلاحی کاموں میں سہولتیں میسر آئیں۔ مگر اس سے بھی زیادہ درست بات یہ ہے کہ ان بزرگوں کے عزم اور ان کے بلند حوصلے مادی اقتدار کے تار و پود سے قطعاً بے نیاز تھے۔ یہاں تک کہ ان میں بہت سے وہ تھے جو سلاطین اور ان کے وزراء سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

انہیں میں مولانا محمد بن طاہر شہیدؒ کے استاذ شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ کے وزیر نے دعوت کے لیے بے حد اصرار کیا۔ جب اصرار حد سے بڑھا تو آپ نے دعوت منظور کر لی۔ مگر اس شرط پر کہ جہاں چاہوں گا بیٹھوں گا اور جو چاہوں گا کھاؤں گا اور جب چاہوں گا اُٹھ کر چلا آؤں گا۔ وزیر کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اس نے منظوری کو غنیمت سمجھا اور شرائط کے مضمرات کی طرف وہ توجہ بھی نہ کر سکا۔

حضرت شیخ تشریف لے گئے تو شاہانہ قالینوں اور غالیچوں کو چھوڑ کر دروازہ کے قریب زمین پر بیٹھ گئے۔ کھانا چنا گیا تو اپنے تھیلے میں سے روٹی نکال کر کھائی اور السلام علیکم کہہ کر واپس تشریف لے آئے۔ یہی شیخ جب گجرات تشریف لائے تھے تو سلطان محمود کا زمانہ تھا۔ اس کو زیارت کا شوق ہوا۔ بے حد اصرار کے بعد تشریف لے گئے۔ واپسی پر بادشاہ نے ایک کروڑ نذر کیے۔ آپ نے یہ پوری رقم قاضی عبداللہ سندھیؒ کے حوالے کر دی اور دامن جھاڑ کر روانہ ہوگئے۔ یہی قاضی صاحب تھے جن کی رعایت سے آپ نے بادشاہ کی درخواست منظور فرمائی تھی۔

اس قسم کے سینکڑوں واقعات تاریخ کے صفحات پر ٹکے ہوئے موجود ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ اگر ان میں بزرگوں کو اپنے نصب العین میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار سے کوئی فائدہ پہنچا تو وہ ایک اتفاقی امر تھا۔ کیونکہ یہ بزرگ اسلام کی دعوت و تبلیغ کی تکمیل کے لیے ملکی سرمایہ کے محتاج نہ تھے۔ نہ ہی اسلام کا آب حیات روح پروری کے لیے کسی دبدبۂ سکندری کا محتاج رہا ہے۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اقتدار کے بھوکے بادشاہ اور وزراء اپنی سیاسی اغراض کے لیے ان خدا رسیدہ اولیائے کرام کے دامنوں سے وابستہ رہا کرتے تھے اور ان کی ہمہ گیر مقبولیت سے اپنے سیاسی مقاصد پورے کیا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کی سوانح حیات کے مطالعہ کے ساتھ اس زمانہ کے سیاسی اتار چڑھاؤ پر نظر ڈال لیجئے۔ تصدیق کے لیے بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔

حضرات! مضمون کس قدر طویل ہوگیا ہے مگر یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ اسلام اپنی مقبولیت اپنی کشش اور اپنی دلچسپی میں نہ کسی وقت شان و شوکت اور قوت و اقتدار کا محتاج ہوا تھا۔ نہ آج محتاج ہے۔ تمام مثالوں کو چھوڑ کر خود سرور کائنات ﷺ کی مثال لے لیجیے۔ جس وقت آپ ﷺ نے ضلالت اور گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں شمع توحید روشن کی تو کیا آپ ﷺ کسی ملک کے فرماں رواں تھے؟۔ کیا کوئی مادی اقتدار آپ ﷺ کے زیر نگیں تھا؟۔ معاذ اللہ! کچھ بھی نہیں۔ ارض بطحا کے اس در یتیم کے پاس جو کچھ تھا وہ صدق و اخلاص تھا۔ عزم محکم تھا۔ اعتماد علی اللہ تھا۔

مختصر یہ کہ یہی موتی اگر آپ اپنے دامن ایمان میں ٹانک لیں تو اسلام کے مستقبل کے ساتھ آپ کا مستقبل بھی روشن ہوجائے گا۔ و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین!

❂❁✫❁❂

ابطالِ باطل

قسط: 83

ماہ نامہ ''افکارِ العارف لاہور'' کے جواب میں

تلبیسات کے اندھیروں میں حقیقت کے چراغ

مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

ہم نے بالتفصیل مسئلہ افضیلت پر امامی ترجمان کے اعتراضات کا منصفانہ محاکمہ کرنے کے بعد ان کے عقیدہ تحریف قرآن مجید پر بحث کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، اور اپنے اسلاف کی طرح موصوف یہاں آ کر ایسے گہرے دلدل میں دھنسے کہ نکلنے کا کوئی چارہ یا رستہ نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے مجبوراً پھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضیلت کا مسئلہ اٹھا دیا اور اب کے ایک نئی شاطرانہ اداؤں کے ساتھ وہ واردِ میدان ہوئے۔ اکابرین اہل سنت میں سے وہ مشائخ عظام جنہوں نے مسئلہ تفضیل درج کرتے ہوئے مباحث میں سیدین شیخین (حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی افضیلت پر پوری امت کا اجماع نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضراتِ ختنین (سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے متعلق اہل سنت میں بہت قلیل تعداد میں ایسے حضرات کے مابین اختلاف رہا ہے کہ ان میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ؟ ایک بڑی تعداد نے لکھا کہ بعد از شیخین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور بعض نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اب امامی ترجمان نے چالاکی یہ دکھائی کہ زیر بحث عبارات کو سیاق وسباق سے پوری طرح کاٹ دینے اور متاثر کر دینے کے بعد اہل سنت کی کتابوں میں جس لفظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر شروع ہوتا ہے، وہ وہاں سے اپنی بات کا آغاز کر کے حجت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سادہ لوح طلبہ کو دام تزویر میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیکھئے اہل سنت تو سب کے سب نبی علیہ السلام کے بعد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں۔ لہٰذا سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل کہنا اہل سنت کے کمزور موقف کا عکاس ہے۔ چنانچہ چند ایک عبارات پر گزشتہ سطور (جو گزشتہ شماروں میں زیب طباعت ہو چکی ہیں) میں کافی وافی

تبصرہ ہو چکا ہے اور مزید جن اہل سنت کی کتابوں کی عبارات پر انہوں نے رافضیانہ ملمع سازی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

① التحفۃ العلویہ۔ از حافظ محمد اسمٰعیل الکحلانی، جو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی کتاب ''بلوغ المرام'' کی شرح ''سبل السلام'' کے شارح بھی ہیں۔

② المغنی فی الامامۃ۔ از قاضی عبد الجبار اسد آبادی (معتزلی) شافعی

③ مناقب الائمۃ الاربعۃ۔ از علامہ ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۳ھ)

④ شرح اصول الخمسۃ۔ ایضاً

⑤ تدریب الراوی۔ از علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ

⑥ التراتیب الاداریۃ۔ از علامہ عبد الحیٔ الکتانی۔ جلد دوم (طبع بیروت)

⑦ الاربعین فی اصول الدین۔ از علامہ فخر الدین الرازی رحمہ اللہ

⑧ تہذیب الاسماء واللغات۔ از شارح مسلم علامہ نووی رحمہ اللہ، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۳۴۵

اب ان میں سے کوئی ایک ایسا مصنف نہیں ہے جس نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضراتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل قرار دیا ہو۔ مثلاً حافظ محمد بن اسماعیل الامیر الکحلانی نے قصائد پر مشتمل کتاب ''التحفۃ العلویہ'' میں یہ شعر لکھا ہے:

کل ما للصحب من عکرمة فله السبق تراه الاولياء

جمعة فيه وفيهم فرقت فلهذا فوقهم صار عليا

''(شیخین کے بعد، کیونکہ وہ تو زیر بحث ہی نہیں۔ سلفی) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرداً فرداً جو جو فضائل و شمائل حاصل تھے، تم ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منفرد شان کا مالک پاؤ گے، کیونکہ ان میں وہ سب خوبیاں جمع ہیں، اس لیے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فائق ہیں۔''

اب لفظ ''فوق'' کا ترجمہ ''افضل'' کرنا امامی ترجمان کے قلت تدبر کا شاخسانہ ہے۔ مگر چونکہ نقل کے لیے عقل کی حاجت ہوتی ہے اور پھر اہل سنت کی کتابوں سے عبارات نقل کر کے سبائی معنی و مفہوم پہنا کر پیش کرنا تو ویسے بھی مرگی پن کا نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ ان اسلاف کے نام لیوا ابھی دنیا میں

الحمد للہ موجود ہیں اور ہر دور میں آئندہ میں موجود رہیں گے۔ چنانچہ امامی ترجمان نے صاحب ''سبل السلام'' کے اس شعر کی وہ توضیح جو انہوں نے خود فرمائی تھی، نقل کردی جس سے رافضی دعوی نمک کی ڈلی کی طرح پانی میں گھل کر رہ گیا، اگرچہ انہوں نے حسب عادت بعض عربی کلمات کا ترجمہ کرنے میں زبردست خیانت کا مظاہرہ کیا ہے مگر پھر بھی بات بن نہ سکی۔ اور بن سکتی بھی کیسے؟ کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی افضل تھے، افضل ہیں اور شانِ افضیلت کے پورے طمطراق کے ساتھ آج بھی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آرام فرما ہیں۔ چنانچہ مولانا حافظ محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ وضاحت میں لکھتے ہیں:

فلهذا فيهم صارَ عليًا متفرعا علٰى صدر البيت يشير الٰى مسئلة التفضيل المشهور وهى مسئلة اختلف فيها الناس فالمحدثون والمعتزلة الا الاقل علٰى ان التفضيل علٰى تربيت نيل الخلافة ، وانه عليه السلام الرتبة الرابعة فى الُفضل والاقل يقد مونه على عثمان و يحعلون رتبةٗ الثالثة والذى عليه الآل وبعض من ائمة الاعتزال وجماعة من ائمة الأثار الحاكم ابى عبدالله بن البيع وغيره ان الوصيى عليه السلام افضل الامة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الحق الذى اشار اليه الناظم حفظه الله۔ (الروضة النديه شرح التحفة العلويه، صفحه نمبر ۵۹ مطبع انصارى، دهلى)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فائق ہونا مذکورہ شعر سے عیاں ہے جو معروف بحث مسئلہ تفضیل کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی بحث ہے جس میں لوگوں کے مابین اختلاف موجود ہے۔ چند ایک سے قطع نظر محدثین اور معتزلین کا مسلک یہ ہے کہ خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے ہی خلفاء اربعہ میں افضیلت کا مقام متعین ہوگا اس اعتبار سے فضیلت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چوتھا نمبر ہے، اور ایک محدود تعداد سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیتی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تیسرا درجہ متعین کرتی ہے۔ جبکہ بعض آئمہ اعتزال اور آئمہ آثار مثلاً حاکم ابوعبداللہ بن البیع وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہل بیت میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ساری امت سے افضل اور وصی ہیں، اور اسی لائق قبول بات کی طرف

شاعر نے اشارہ کیا ہے۔''

تبصرہ

اب مندرجہ ذیل چند باتیں قارئین اور سلیم فطرت مسلمانوں کی توجہ چاہتی ہیں:

① ایک شعر اور ''شاعر کے اشارہ'' کے مقابلہ میں ثقہ اور قطعی الثبوت دلائل اور خود سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اقرار و اعتراف (کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ہیں) کو نظر انداز کر دینا، ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام و اہل بیت عظام کا اعتماد علی الشیخین مسترد کر دینا اور اسلام کی چودہ صدیوں کے سوادِ اعظم اہل السنّت والجماعۃ کے متفقہ نظریہ سے چشم پوشی کر لینا عین انصاف کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ فلہٰذا یا تو شعر کی مناسب توجیہ اور تاویل کی جائے گی یا پھر شاعر کے کلام کو محض تخیل شاعرانہ ہی سمجھا جائے گا۔ بشرطیکہ شعر کی مراد واضح نہ ہو۔ مگر یہاں تو وضاحت میں بھی حقیقت سے پوری طرح پردہ ہٹا دیا گیا ہے۔

② اس لیے مولانا محمد بن اسماعیل الکحلانی نے اس کی زبردست توجیہہ درج فرما دی ہے کہ محدثین اہل سنت کا ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہی خلفاء اربعۃ کی افضیلت پر اتفاق ہے۔ بعض آئمہ معتزلین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت میں سے افضل قرار دیا ہے کیونکہ ان کے زعم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ وصی رسول تھے (اور ظاہر ہے کہ امامی یا بعض معتزلین کے نظریہ سے اہل سنت کا کوئی لینا دینا نہیں ہے)۔

③ اس عبارت سے امامی ترجمان اپنے لیے چور دروازہ اس لیے نہیں نکال سکتے کہ بالفرض فضیلت یا افضیلت کی ذوقی بحثیں چلی بھی ہیں تو وہ اہل سنت ہی کے مابین چلی ہیں، ان میں ہمارا روافض کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں اور نہ ہی یہ محل اختلاف ہے۔ کیونکہ روافض کے مزعومہ عقیدۂ، امامت کا مسئلہ افضیلت کے ساتھ دور دور کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تو کیا گزشتہ انبیاء علیہم السلام سے بھی افضل ہیں اور ہم نے بہت پہلے ایک بحث میں مولانا حسین بخش جاڑا اور بعض دیگر متقدمین شیعہ کی کتابوں سے حوالے پیش کر دیئے ہیں۔ اثنا عشریوں کے اس متشددانہ نظریہ سے ہی ان کی کھوکھ سے

نصیری پیدا ہوئے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا قرار دے دیا (العیاذ باللہ) اور آج ایک بار پھر نصیریت امامیوں کی صفوں میں دندناتی پھر رہی ہے اور یہ گنبد کی صدا ہے کہ جیسی کہی جائے، ویسی ہی سننی پڑتی ہے۔ بہرکیف اثنا عشریوں کے عقیدہ امامت کے تناظر میں دیکھا جائے تو اہل سنت کی مذکورہ فضیلت اور افضیلت والی عبارات کے ساتھ شیعوں کا کوئی ملاپ نہیں ہے۔ اور یہ خوامخواہ کیکر کے درختوں سے انار کے پھل تلاش کرنے میں وقت برباد کرنے کے مترادف ہے۔ اور ہمیں افسوس ہے کہ امامی علماء اس بربادی میں قبرستانوں کے رزق بنتے چلے جارہے ہیں مگر وہ حقائق کی طرف آج بھی توجہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں! واللہ یھدی من یشاء الی صراطٍ مستقیم

ترتیب خلافت اور افضیلت نسبی

علماء امامیہ جن سنی کتب کی عبارات کو توڑ موڑ کر اپنا مزعومہ نظریہ پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں ان میں اس امر کا بطور خاص التزام ہوتا ہے کہ عمومی فضیلت تو ترتیب خلافت پر ہی ہے، ہاں البتہ نسب کے اعتبار سے اہل بیت پر کسی کو قیاس نہیں جاسکتا مثلاً حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

" قال عبداللہ ابن الامام بن حنبل امام اھل السنة قلت لابی (احمد بن حنبل) ما تقول فی التفضیل ؟ قال فی الخلافة ابوبکر و عمر و عثمان ! فقلت لعلي ؟ فقال یا بني علی ابن ابی طالب من اھل البیت بھم احدًا۔"

(مناقب احمد لابن الجوزیؒ جلد اول صفحہ نمبر ۲۱۹)

یہ ایک مکالمہ ہے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان کے صاحبزادہ کے مابین ہوا، جب صاحبزادہ گرامی قدر نے پوچھا کہ والد گرامی آپ مسئلہ تفضیل کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کس خلیفہ کی کیا فضیلت ہے؟ تو حضرت امام رحمہ اللہ نے فرمایا ترتیب خلافت میں ابوبکر، پھر عمر اور پھر عثمان ہیں۔ صاحبزادہ نے پوچھا اور جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ؟ ارشاد فرمایا: علی اہل بیت میں سے ہیں، ان کو کسی پر کیا قیاس کرنا؟

اب یہاں خارجیوں اور رافضیوں دونوں کی اپنی اپنی مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔ خوارج کہتے ہیں کہ دیکھئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو موعودہ خلافت میں (نعوذ باللہ) تسلیم ہی نہیں کیا گیا، جبکہ روافض کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں افضیلت کا درجہ تسلیم کرلیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خارجیوں اور رافضیوں کے اس تقابل میں کوئی تیسری نافہم جنس تو پیدا ہوسکتی ہے مگر اس سے کوئی علمی مسئلہ نہیں نکلتا۔ کیونکہ اس کی مراد بالکل واضح ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبی علیہ السلام کے ساتھ کچھ اضافی رشتے داریاں بھی ہیں۔ مثلاً:

① نبی علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہونے کے ناطے بنو ہاشم کی ایک قریبی اور معزز ہستی ہیں۔

② نبی علیہ السلام کی چار بناتِ طاہرات میں سے پیاری اور چھوٹی صاحبزادی سیدہ حضرت فاطمة الزہرا رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں۔

③ صحابی رسول ہیں

④ خلیفہ راشد ہیں

⑤ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں

فلہٰذا ترتیب خلافت کے اعتبار سے تو ان کی فضیلت چوتھے نمبر کی ہی ہے جبکہ افضیلت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حق ہے۔ تاہم افضیلت نسبی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوسکتی ہے۔ اور یہی مفہوم باقی تمام علماء واکابرین کی ان عبارات کا بھی ہے جو اس ضمن میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا اہل سنت کے عوام وخواص کو امامی علماء کی اس دجل وفتنہ پرور پالیسی سے خبردار رہنا چاہیے اور ان کو اپنا یہ عقیدہ سلامت رکھنا چاہیے کہ امامی علماء جس قدر بھی کھینچا تانی کرتے ہیں اور انصاف ودیانت کا خون کرتے ہیں، اس قدر زیادہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام افضیلت عیاں ہوتا چلا جاتا ہے۔ سچ ہے کہ:

طوفان کر رہا تھا میرے عزم کا طوافؒ
دنیا سمجھ رہی تھی کشتی بھنور میں ہے

(جاری ہے)

قرآنِ مجید اور یارانِ مصطفیٰ ﷺ

حضرت مولانا نور محمد قادری تونسویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمدللہ! رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہٖ واصحابہ اجمعین الٰی یوم الدین۔ آمین اما بعد!

انبیاء عظام صلوٰۃ اللہ علیہم کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دین حق کی خاطر ایسی عظیم قربانیاں پیش کی ہیں کہ جن کی مثال نہ اوّلین میں ملتی ہے نہ آخرین میں۔ اس لیے قرآن مقدس میں ان کی خدمات کو جابجا سراہا گیا ہے۔ مقدس انسانوں کا یہ گروہ خالقِ کائنات کے ہاں اتنا برگزیدہ ہے کہ خود خداوند دانا و بینا اپنی لاریب کتاب میں ان لوگوں کی تعریف وتوصیف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کی پاکیزہ زندگیوں کا ایک ایسا جامع نقشہ تیار کیا ہے جو قیامت تک کے آنے والے لوگوں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتا رہے گا اور جو شخص بھی قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرے گا وہ اوراقِ قرآن میں جانثارانِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک ایسی حسین وجمیل تصویر دیکھے گا جو ایمان، اخلاص، تقویٰ، اور محبت رسول ﷺ سے آراستہ اور صداقت، دیانت، شرافت اور شجاعت وغیرہ سے پیراستہ ہے۔

قرآن مجید صحابہ کرامؓ کے مقامِ ایمان اور شانِ تقویٰ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ۔

''یہ لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے بڑے درجے ہیں اور عزت کی روزی ہے۔''

سورۃ انفال آیت نمبر۴ ''وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا'' اور اللہ تعالیٰ نے ان (صحابہ) کو ملت تقویٰ پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ اس کے اہل ہیں۔ (سورۃ فتح آیت ۲۶)

اللہ جل شانہ جب بھی شمع رسالت کے پروانوں کا ذکر فرماتے ہیں تو موقع ومحل کے مناسب مندرجہ ذیل القاب میں سے کسی نہ کسی لقب کے ساتھ ضرور ان کو ملقب فرماتے ہیں۔

(۱) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ یہی لوگ مومن ہیں۔ (۲) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔ (۳) اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ (۴) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۔

یہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔ (۵) اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْن۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (۶) اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَائِزُوْن۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ (۷) اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْن۔ یہی لوگ بھلائی پانے والے ہیں۔ (۸) اُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ الْجَنَّۃ۔ یہی لوگ بہشتی ہیں۔ (۹) اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْن۔ یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔ (۱۰) اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہ۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں۔ تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃ۔

گلستان رسول ﷺ کے عندلیبوں کے چند مزید صفات ملاحظہ فرمائیں جو کتاب اللہ میں یکجا مذکور ہیں۔ اَلتَّائِبُوْن۔ اَلْعَابِدُوْن۔ اَلْحَامِدُوْن السَّائِحُوْن الرَّاکِعُوْن۔ السَّاجِدُوْن۔ اَلْآمِرُوْن بِالْمَعْرُوْف وَالنَّاھُوْن۔ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحَافِظُوْن لِحُدُوْدِ اللّٰہ۔ توبہ کرنے والے۔ عبادت کرنے والے حمد کرنے والے۔ روزہ رکھنے والے۔ رکوع کرنے والے۔ سجدہ کرنے والے۔ نیک باتوں کا حکم کرنے والے اور بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کا خیال رکھنے والے۔ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۱۲)

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رضی اللہ عنہم کا اعزاز دے کر تنقیص اور تنقید کرنے والی زبانوں کو خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا ہے اور کلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی سے صاف طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ہر ایک غلام جانثار کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جنت کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔ قرآن مجید نے ایک جملہ بول کر بتلا دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور وہ ایک دوسرے کے حق میں بے حد مہربان اور رحم دل تھے۔ ارشاد ربانی ہے: محمد رسول اللہ والذین معہ اشد علی الکفار رحماء بینھم۔ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کے ساتھی سخت ہیں کفار پر۔ نرم دل ہیں آپس میں۔ (سورۃ الفتح، آیت: ۲۹)

اہل علم حضرات کو بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن حکیم صحابہ کرام کو معیارِ حق قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں

آیت نمبر ۱: ﴿ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ کَمَا اٰمَنَ السُّفَھَاءُ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَاءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ۔ ”اور جب ان (منافقین) سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ایمان لے آؤ جیسا اور لوگ ایمان لائے ہیں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم تو کہتے ہیں کیا؟ ہم ایمان لائیں جیسا

ایمان لائے بے وقوف۔ یاد رکھو بے شک یہی ہیں بے وقوف۔ لیکن وہ اس کا علم نہیں رکھتے۔'' (سورۃ بقرہ، آیت: ۱۳) **فائدہ**: آیت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منافقین کے سامنے معیار بنا کر پیش کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں۔

آیت نمبر۲: ﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ۔ ''سو اگر وہ (اہل کتاب) بھی اسی طریق سے ایمان آئیں جس طریق سے تم (اے صحابہ) ایمان لائے ہو۔ تب تو وہ بھی راہِ حق پر لگ جائیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ لوگ تو (ہمیشہ سے) برسر مخالفت ہیں۔'' (سورۃ بقرہ، آیت: ۱۳۷) **فائدہ**: آیت مذکورہ میں واضح لفظوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معیارِ حق بنایا گیا ہے جس کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

آیت نمبر۳: ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ ''اور جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کردیں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔'' (سورۃ نساء، آیت: ۱۱۵) **فائدہ**: آیت مذکورہ میں مومنین کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کے مصداق اولین صحابہ کرام ہیں کیونکہ یہی لوگ مومنین، سابقین اولین ہیں اور ان کے راستہ سے ہٹ کر کسی دوسرے راستہ پر چلنا گویا جہنم میں جانا ہے۔ جنت میں جانے کا صرف واحد راستہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت پاکباز کا راستہ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں۔

آیت نمبر۴: ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ بھی اس (اللہ) سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔'' (سورۃ توبہ، آیت: ۱۰۰) **فائدہ**: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اپنی ابدی رضا کا اعلان فرمایا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے بھی اپنی ابدی رضا کا اعلان فرمایا

ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں اسی لیے ان کے نقش قدم پر چلنا سبب رضائے الٰہی ہے۔

قارئین کرام: مذکورہ بالا آیاتِ بینات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان اور تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور اعمالِ صالحہ کے میدان میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ایک دوسرے کی محبت ان کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور ان کا جذبۂ ایثار قیامت تک لوگوں میں ضرب المثل رہے گا۔ صداقت، دیانت، امانت، شرافت، عبادت اور جہاد فی سبیل اللہ کے میدانوں میں ان کا مثالی کردار ناقابلِ فراموش ہے۔

القصہ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین اسلام میں ہمہ صفت موصوف تھے اور مقامِ انسانیت سے گرے ہوئے تمام اخلاقِ رذیلہ اور عاداتِ خسیسہ سے کوسوں دور تھے اور ان کے قلوب ایک دوسرے کے بغض وعناد سے پاک وصاف تھے اور حسد ونفاق سے منزہ ومبرا تھے۔

ایک ضابطہ

قرآنِ حکیم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو سیرت بیان کی گئی ہے وہ اصل اور بنیاد ہے اور اس موضوع پر بعد میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب کے لیے معیار اور کسوٹی ہے لہٰذا جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صحیح اور اصلی مقام کو سمجھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے قرآنِ حکیم کی ان آیات کا مطالعہ کرے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کما حقہ سیرت بیان کی گئی ہے اس کے بعد سیرت کی دوسری کتابوں کا اس طور سے مطالعہ کرے کہ قرآن کے بیان کردہ صفاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے پیش نظیر رہیں۔

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ڈھونڈنے والا شخص جب اس طریقہ پر چلے گا تو وہ جلد اپنی منزلِ مقصود کو پالے گا۔ اگر ایسے شخص کے سامنے تاریخ کی کوئی روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی سیرت پیش کرے گی جو قرآن کی بتائی ہوئی سیرت کے برعکس ہے تو وہ اس تاریخی روایت کو رد کرنے میں ذرہ بھر بھی تامل نہ کرے گا کیونکہ قرآن پر ایمان رکھنے والا شخص قرآن سے ٹکرانے والی تاریخ کو دریا بُرد تو کرسکتا ہے لیکن تاریخ کے ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی برداشت نہیں کرسکتا۔ پس تاریخ کی وہ باتیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان وعمل کی کمزوری مترشح ہوتی ہے اور وہ کہانیاں جن کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صداقت، دیانت، امانت، شرافت اور شجاعت وغیرہ صفات پر حرف آتا ہے اور وہ قصے جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بغض وعناد ظاہر ہوتا ہے اس قسم کی سب باتیں روایتاً اور درایتاً غلط ہیں اور سبائیوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔

مظہر کرم ''بابِ دوم'' پر تبصرہ

قسط: ۳

اس کرم کا کروں شکر کیسے ادا؟

مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی☆

''مظہرِ کرم'' قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی 1200 صفحات پر مشتمل سوانح حیات ہے۔ جسے فاضلِ جلیل حضرت مولانا حافظ عبد الجبار سلفی زید مجدہ نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے تصنیف فرمایا ہے۔ ''اس کرم کا کروں شکر کیسے ادا'' کے عنوان سے مظہر کرم پر قسط وار تبصرہ تحریر کیا جا رہا ہے۔ زیر نظر سطور اس سلسلہ کی تیسری قسط ہے۔ (ادارہ)

''مظہر کرم'' کے دوسرے باب میں قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہٗ کی ولادت اور سلسلہ تعلیم و تعلم کا ذکر ہے۔ چنانچہ علامہ سلفی لکھتے ہیں:

''مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے دو نکاح کیے تھے۔ پہلی زوجہ سے دو بیٹے (۱) سراج الدین (۲) ضیاء الدین اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جبکہ دوسرے نکاح سے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں متولد ہوئیں۔ پہلا بیٹا پیدائش کے چند دن بعد ہی راہیٔ عالم بقاء ہوگیا تھا۔ باقی تین کے نام یہ ہیں: (۱) فضل حسین (۲) منظور حسین (۳) مظہر حسین''

فاضل سلفی صاحب مدظلہٗ یہ ذکر کرنے کے بعد کہ ''حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنے پہلے بچے کے نام پر اپنی کنیت ابو الفضل رکھی اور پھر یہ آپ کے نام کا حصہ بن گئی'' آپ کی ذاتی ڈائری کے حوالہ سے حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی تاریخ ولادت کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں:

اس وقت ابو الفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری بندہ کے پیش نظر ہے جو اب تک کم و بیش اپنی حیاتِ مستعار کی ۱۲۵ بہاریں دیکھ چکی ہے۔ اس قدیم اور نایاب بیاضِ دبیر میں اُس وقت اور تاریخ و سن کو مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنے

☆ جنرل سیکرٹری تحریک خدام اہل سنت والجماعت، پاکستان 0303-0543444

خامہ عنبر شمامہ سے محفوظ کیا جس میں ''مظہر حسین'' کتم عدم سے عرصہ وجود میں آئے اور آپ کی بابرکت ولادت ہوئی۔ چنانچہ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین، ۱۴/ اکتوبر ۱۹۱۴ء، روزِ سہ شنبہ، ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ، ۴ کاتک ۱۹۷۱ء وقت ۹ بجے رات۔ اللھم زد عمرہ وسعدہٗ

دیسی مہینوں اور اوقات کی قدرے تفصیل کے بعد سلفی صاحب نے ابتدائی تعلیم کے احوال کچھ یوں بیان کیے ہیں:

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ قرآنِ مجید اپنے والد صاحب قبلہ اور اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھتے رہے۔ گھر ہی میں علومِ خادمہ میں سے صرف ونحو اور فارسی کتب پڑھیں اس کے ساتھ ساتھ اپنے گاؤں ''بھیں'' سے پرائمری کا امتحان بھی پاس کیا اور پھر میٹرک تک تعلیم چکوال شہر سے حاصل کی۔ اسکول ریکارڈ کے مطابق آپ ۱۷/ اپریل ۱۹۲۸ء کو داخلہ نمبر ۸۸ کے تحت داخل ہوئے اور ۳۱، مارچ ۱۹۳۰ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کر کے اسکول سے فراغت حاصل کی۔ یعنی ۱۹۳۰ء میں جبکہ آپ کی عمر ابھی چند ماہ کم ۱۶ سال کی تھی۔ تو آپ نے ایک طرف میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تھا تو دوسری جانب قرآنِ مجید، علومِ صرف ونحو، فارسی کتب، علومِ منطق، اور کتب فقہ واصولِ فقہ کی چند بڑی کتب اپنے والدِ گرامی سے ہی پڑھ لی تھیں۔ بلکہ علمِ طب کے ساتھ بھی شُد بُد پیدا ہو چکی تھی۔

یہاں طب کا ذکر آتے ہی علامہ سلفی کی تحقیق کا رخ نور الدین بھیروی کے فن طبابت، غلام احمد قادیانی کی سرپرستی، بازاری نسخوں والی ''بیاض خاص'' اور پھر ایک بے حیاء قسم کے اشتہار کی طرف مڑ جاتا ہے۔ جو قادیانی چہرہ دکھانے کے لیے شاید ضروری بھی تھا۔

تعلیم وتعلم کے سلسلہ کو مزید بیان کرتے ہوئے سلفی صاحب بابِ دوم کا اختتام کچھ یوں کرتے ہیں:

''میٹرک کے امتحان میں کامیابی اور علم طب کے ساتھ ساتھ والد گرامی سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھ لی تھیں۔

میزان، پنج گنج، شافیہ، نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، سلم العلوم، میبذی، صدرا، شمس بازغہ، شرح چغمینی، رسالہ قوشجیہ، خلاصۃ الحساب، قدوری اور نور الایضاح وغیرہم۔

یاد رہے کہ میٹرک کا امتحان پاس کر کے دو سال تک اپنے گاؤں میں واقع پرائمری اسکول میں آپ تدریس بھی کرتے رہے۔ اور اس دوران والد گرامی سے کتبِ درسِ نظامی کے ایک بڑے حصے سے فیض یاب بھی ہو چکے تو مزید علم کے حصول کے لیے اولاً لاہور تشریف لے گئے۔ پھر بھیرہ شریف اور آخر میں مرکز رشد و ہدایت دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

(جاری ہے)

وفیات

① خانپور (چکوال) میں مولانا احسن صاحب کے بھائی قاضی محمد ارشد صاحب ② بلکسر (چکوال) میں پرانے جماعتی کارکن حاجی محمد یونس صاحب ③ حاجی غلام علی چوہان کی اہلیہ، محمد ابوذر خدامی کی دادی صاحبہ چکوال میں ④ ڈھوک گجر (چکوال) میں ملک محمد یٰسین صاحب ⑤ ڈورے (چکوال) میں حاجی عبدالمجید صاحب کے بڑے بھائی حاجی محمد رفیق منہاس صاحب ⑥ سرکال مائر (چکوال) میں عرفان منظور صاحب کا بیٹا علی عرفان ⑦ پادشھان (چکوال) میں نقیش حیدر صاحب کی خالہ صاحبہ ⑧ سرکال مائر چکوال میں حافظ سلطان محمود، حاجی محمد ایوب و حاجی مقصود احمد کی خالہ صاحبہ ⑨ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مفتی زرولی صاحب کراچی ⑩ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے شیخ الحدیث استاذ العلماء حضرت مولانا قاری ظفر اقبال صاحب دامت برکاتہم کی ہمشیرہ محترمہ ⑪ جنہان سومرو (سندھ) میں حضرت شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہم کے برادرِ نسبتی محمد قاسم سومرو کے سُسر محمد صالح سومرو صاحب ⑫ جامعہ مظہریہ حسینیہ کے باورچی عبدالعزیز سومرو کے برادرِ نسبتی انتقال فرما گئے ہیں۔

رب تعالیٰ جملہ مرحومین کی کامل بخشش و مغفرت فرمائیں اور جملہ اہل خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین (ادارہ)

یادِ رفتگاں (قسط:7)

''زخمے است کہ مرھمے ندارد''

سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ

[احوال و آثار]

مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

''مقام حیات'' کی تصنیف، ۱۹۶۲ء میں علامہ صاحبؒ کا ایک اور یادگار علمی کارنامہ

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے قیام کا مقصد توحید و سنت کی ترویج اور شرک و بدعات کی تردید تھا، مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ مذکورہ جماعت نے انکار حیات النبی ﷺ کا مسئلہ پیدا کر کے نہ صرف اپنی جماعتی اہداف سے روگردانی کی، بلکہ علماء دیوبند کو دو واضح بلاکوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا تھا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے جب ۱۹۵۶ء میں جمعیت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تھی تو اس سے اگلے سال ہی مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے اپنی جمعیت (اشاعت التوحید) کی بنیاد رکھ دی تھی، حضرت لاہوری رحمہ اللہ ان حضرات کے اس عمل سے خفاء تھے اور آپ نے اسے جمعیت علماء اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف قرار دیا تھا۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا یہ خدشہ اس وقت جملہ پہلوؤں کے ساتھ درست ثابت ہوا جب اشاعتی بزرگوں نے صرف جمعیت ہی نہیں بلکہ پوری امت کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ یہ مکمل تفصیلات ہماری کتاب ''مظہر کرم'' (سوانح حیات قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ) میں موجود ہیں۔ اس وقت چونکہ ہم نے علامہ صاحب کی کتاب ''مقامِ حیات'' کے دور تصنیف سے کرنیں حاصل کرنی ہیں اس لیے تاریخی واقعات اور حقائق درج کرنے کے جھمیلوں سے پرہیز برت رہے ہیں۔ جس وقت اشاعت التوحید کے حضرات نے ناروا شدت اور بے جا غصیلی کیفیت کے ساتھ انکار حیات کا مسئلہ عوام میں پیش کیا تو اس کی ابتداء جامعہ خیر المدارس ملتان سے ہوئی تھی۔ جہاں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے اس ضمن میں ہونے والے اجلاسوں میں سے ایک اجلاس کے اندر حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کے چہرہ پر طمانچہ رسید کر دیا تھا ردعمل میں حضرت

جالندھری مرحوم نے بھی شاہ صاحب کو تھپڑ مارا اور جس بات پر یہ تھپڑوں کا تبادلہ ہوا تھا وہ بھی ہم نے مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کے ایک نادر خط کی مدد سے ''مظہر کرم'' میں پیش کردی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اشاعت التوحید کے پیدا کردہ اس مسئلہ نے جب باقاعدہ فتنے کا روپ دھارا تو اب اکابرین علماء اہل سنت مصلحت وحکمت کے تمام تر تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میدان عمل میں نکلے اور اشاعتی بزرگوں کا علمی وتحریکی تعاقب شروع کردیا۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مربوط اور مضبوط بنیادوں پر جمعیت علماء اسلام کے جماعتی رسالہ ''ترجمانِ اسلام'' میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ نے مردانہ وار مضامین قلمبند کئے اور دوسرے علماء کرام کو بھی متوجہ فرمایا۔ اہل حق کی تین جماعتوں کے مناظرین، مبلغین، واعظین اور مصنفین نے اپنی پوری قوت کے ساتھ ملک بھر میں مذہبی اجتماعات کے اندر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی الروضہ کے متعلق کتاب وسنت، آثار صحابہ کرام اور اسلافِ امت کے اقوال کی روشنی میں بھرپور رہنمائی کی۔ وہ تین جماعتیں جمعیت علماءِ اسلام، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور تحریک تنظیم اہل سنت ہیں، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور مولانا لعل حسین اختر رحمہ اللہ، جمعیت علماء اسلام کی جانب سے امام الاولیا حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی سرپرستی میں مولانا غلام غوث ہزاروی اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ (اس وقت حضرت اقدس قاضی صاحب جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے خدمت دین میں مصروف تھے) سرگرمِ عمل تھے جبکہ تحریک تنظیم اہل سنت کا معاملہ قدرے مختلف اور محتاج وضاحت ہے۔ جو آمدہ سطور میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی اس ضمن میں خدمات کی تفصیلات کی تمام ترگتھیاں سلجھانے اور سمجھانے میں ہم کامیاب ہوسکیں۔

منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اکابرین تنظیم اہل سنت کے دو مختلف رجحانات

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے ناقابل فہم معمہ اور موضوعِ مباحثہ بنا کر اس امت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ قیام پاکستان کے محض دس سال بعد جبکہ اس وطن کو اتحاد و یگانگت اور مذہبی ہم آہنگی کی بہت زیادہ ضرورت تھی، نیز مرزائیت ورافضیت کے ساتھ ساتھ اشتراکیت کا فتنہ اہل پاکستان کو مسلسل متذبذب کیے ہوئے تھا، مذکورہ دو حضرات نے اس بحر وسواس میں اپنی کشتیاں ڈال دیں اور پھر چپو یہ چپو چلا کر ساری عمر اسی عنوان پہ ہی خون پسینہ ایک کرتے رہے۔ جہاں تک عقیدہ اور نظریہ کی بات ہے تو تنظیم اہل سنت میں

کوئی شخصیت اشاعتی بزرگوں کی ہمنوا نہیں تھی۔ البتہ پالیسی میں کچھ فرق تھا۔ حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری اور مولانا علامہ دوست محمد قریشی مرحوم نے ابتداء میں اشاعتی بزرگوں کے ساتھ نرم رویہ رکھا، جس کا خمیازہ بھی انہیں بھگتنا پڑا، جبکہ علامہ ڈاکٹر خالد محمود اور حضرت مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ ابتداء ہی سے ان کے ساتھ لاتعلقی کے حق میں تھے۔ چنانچہ حضرت تونسوی اور علامہ صاحب کا موقف بالکل درست ثابت ہوا، کیونکہ آنے والے دنوں میں مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کو مستقل ایک کتاب ''حیات الاموات'' لکھ کر اپنے موقف کو واضح کرنا پڑا، اور علامہ دوست محمد قریشی مرحوم نے بھی مولانا افتخار احمد بگوی مرحوم کے نام ایک خط میں وضاحت کی تھی کہ حیات وممات کے اس اختلاف میں اگرچہ ہم بین بین رہے مگر مسلک ونظریہ ہمارا وہی تھا جو امام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ خط ''تذکارِ بگویہ'' میں موجود ہے اور اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے مگر تذکار بگویہ کے مرتب صاحب چونکہ علامہ خالد محمود صاحب سے بغضِ باطنی کا شکار تھے اس لیے انہوں نے عجلت وغلبہ جذبات میں یہ بھی لکھ دیا کہ مولانا دوست محمد قریشی مماتی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب رحمہ اللہ بھی اس زمانہ میں تنظیم اہل سنت کے ساتھ چل رہے تھے اور آپ بھی اشاعتی بزرگوں کے ساتھ کسی قسم کی مروت ونرمی کے قائل نہیں تھے بلکہ مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب رحمہ اللہ کا تو کہنا تھا کہ میں نے سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کو متعدد بار مشورہ دیا کہ ہمیں ان لوگوں سے دور رہنا چاہیے مگر شاہ صاحب کا کہنا تھا کہ ان ''توحیدی حضرات'' کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے، حضرت سید صاحب کی اس پالیسی کا پہلا اور بڑا نقصان بقول مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب یہ ہوا کہ تنظیم اہل سنت کے ابتدائی سرپرست حضرات ایک ایک کر کے تنظیم سے علیحدہ ہو گئے جن میں حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی، خواجہ قمر الدین سیالوی اور حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے متوسلین میں سے بے شمار لوگ شامل تھے۔ پھر وہ وقت بہت جلد آ گیا جب اشاعتی بزرگوں نے مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری کو عین حسب فطرت لڑاکے مرغوں کی طرح ٹھونگیں مارنا شروع کر دیں، تب شاہ صاحب نے مولانا غلام اللہ خاں مرحوم کو خط لکھا کہ جب آنجناب بالکل اچھوت ہو کر رہ گئے تھے اور علماء دیوبند میں سے کوئی آپ کے اسٹیج پر جانے کو تیار نہ تھا، اس وقت راقم (سید نور الحسن شاہ) اور مولانا دوست محمد صاحب قریشی ہی تھے جو آپ کے جلسوں کی رونقیں دوبالا کیا کرتے

تھے، اور جب صدر ایوب کے دور میں آپ نظر بند کر دیئے گئے تھے تو ہم دونوں نے ہی آپ کی مسجد میں جمعۃ المبارک اور عیدین کی نمازیں پڑھائیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملہ تفصیلات حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ کی خودنوشت ''حیات مستعار'' کے اندر موجود ہیں۔ یہاں ایک دلچسپ بات زیر قلم آگئی کہ ۱۹۵۰ء میں تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام تین روزہ تبلیغی کانفرنس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں منعقد ہوئی تھی جس میں مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب ناظم مجلس استقبالیہ تھے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اشتہار میں مقررین علماء کرام کے اسماء گرامی میں علامہ صاحب کا نام ''علامہ سید خالد محمود شاہ صاحب خالد'' لکھا ہوا ہے۔ حالانکہ علامہ صاحب صدیقی النسب قریشی تھے، البتہ نام کے آگے ''خالد'' لکھنے کا بطور تخلص چند ایک سال شوق پورا کیا، پھر جلد ہی آپ کی طبیعت اس قسم کے تکلف سے اکتا گئی۔ اور نام کے آگے اس کا استعمال ترک فرما دیا تھا۔

یہ تمام تر تفصیلات دینے کا مقصد یہ ہے کہ تحریک تنظیم اہل سنت میں جن حضرات نے وقتی طور پر حسب حکمت و مصلحت اشاعتی بزرگوں کے ساتھ نرم رویہ برتا تھا، انہیں بہت جلد اپنی اس پُر خطا پالیسی کا ادراک ہوگیا تھا اور پھر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ''حیات الاموات'' کے نام سے کتاب بھی لکھی۔ جس کے پہلے صفحہ پر ہی علامہ خالد محمود صاحب کی شہرہ آفاق کتاب ''مقامِ حیات'' کا ذکر خیر موجود ہے۔ علامہ صاحب منکرین حیات النبی کے خلاف اس جذبہ سے سرگرم عمل تھے کہ آپ کی سرگرمیوں کا اعتراف بانی خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے بھی کیا۔ یہ خط حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کے نام ہے اور پہلی مرتبہ ہماری کتاب ''مظہر کرم'' میں طبع ہوا ہے۔ وہ یہاں بھی پیش کیا جاتا ہے۔

''مخدومنا المکرّم حضرت مفتی صاحب دامت فیضکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جواباً عرض ہے کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں مسلک اکابر علماء دیوبند کو مجروح کرنے والے ابتداءً مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی ہیں البادی اظلم مشہور مقولہ ہے بعدہ تقریر وتحریر میں اچھالنے والے مولانا غام اللہ (اور) مولانا قاضی شمس الدین ہیں۔ جنہوں نے اپنی مجالس اور جلسوں میں اس کو موضوع قرار دیا بلکہ بعض جگہ احقر اور مولانا محمد علی جالندھری صاحب کے نام لے کر چیلنج مناظرہ بھی دیا گیا مگر احقر پیرانہ سالی اور کہنہ تجربہ کی بناء پر ایسے شور وغل سے اب تک متاثر نہ ہوا۔ ہاں مولانا محمد علی صاحب اور علامہ خالد محمود صاحب ضرور متاثر ہوئے اور انہوں نے چیلنج کو قبول کرنے میں دینی مصلحت کا راز

مضمر سمجھا اور درمیان میں واسطہ بنا کر تاریخ کا فیصلہ کرنے والے مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب ہیں کل یا پرسوں ان حضرات کا دفتر نظام العلماء شیرانوالہ دروازہ لاہور میں اجتماع ہونے والا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ کیا گفتگو ہوگی اور کیا تصفیہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔ فریق ثانی کے بعض خیر خواہوں نے خطوط کے ذریعے مناظرہ کے لیے مجھے بھی اُکسانے کی بہت کوشش کی ہے مگر میں بدستور ساکن ہوں، متحرک ہونے کا ارادہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ فریق ثانی کے عمائد ثلاثہ کے کبر و عُجب اور ضد و عناد کے سبب مجھے اصلاح کی توقع نہیں اور ان کے حاشیہ نشین اکثر جہلاء کے متکبرانہ پروپیگنڈے اصلاح سے مایوس کنندہ نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اپنا مسلک تو یہ ہے:

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
تو کسی سے کوئی گلہ نہ رہا

اس گروہ کے اختلاف بڑھانے کا باعث حضرت مفتی محمد حسن صاحب قبلہ کے نرم مصالح اور ان کے بعض معتقدین علماء کا اختلاط و انبساط اور آپ جیسے پکے متبع مسلک اکابر دیوبند کا سکوت ہے۔ میرے نزدیک فریقین کا اس حالت میں اجتماع اور مواجہۃً گفتگو خواہ مجمع خاص میں ہو یا عام میں، فتنہ اور فساد کے بڑھانے کا سبب ہے نہ کہ مٹانے کا۔

(مکتوب مولانا خیر محمد جالندھری بنام مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، محررہ ۲۰، ذوالحج ۱۳۷۹ھ، ملتان)

تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے اس خط سے بہت ساری کیفیات پردہ کتم سے ظاہر ہو رہی ہیں جن کا تعلق اس ابتدائی دور کے ساتھ ہے، مثلاً:

۱۔ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جالندھری رحمہ اللہ حساس اور بہت فکرمند تھے اور ان کی خواہش تھی کہ اسے موضوع عوام نہ بنایا جائے۔

۲۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ اس میدان میں بھی پوری طرح متحرک و فعال کردار ادا کر رہے تھے اور اشاعتی حضرات کے ہر چیلنج کو قبول کر کے ان کے ساتھ بذریعہ مناظرہ فیصلہ کن کاروائی کرنے کے خواہاں تھے۔

۳۔ جو اکابرین امت اپنے طبعی مزاج یا دیگر خدماتِ دینیہ کے انہماک کی وجہ سے اس مسئلہ کو معمولی نوعیت کے اختلاف کا درجہ دے کر اشاعتی بزرگوں سے رہ و رسم قائم رکھے ہوئے تھے، مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان حضرات کی یہ پالیسی خطرناک تھی کیونکہ اس سے فریق مخالف دن بہ دن پارۂ سنگ بنتے جا رہے تھے جس کے نتیجہ میں مسلک حق کو غیر معمولی نقصان پہنچ رہا تھا۔

۴۔ اشاعتی قیادت کی اصلاح وغیرہ سے ہمارے بزرگانِ اہل سنت مایوس ہو چکے تھے اور وہ اپنے طویل تجربات کی روشنی میں بھانپ گئے تھے کہ اب ان پر اصلاح کا ہر عمل بنجر زمین پر بارش کے مترادف ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جس طرح حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ اور علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ کو ابتداء میں نرم رویہ اختیار کر کے بعد میں پچھتانا پڑا اور انہوں نے برملا اس امر کا اقرار کیا کہ اشاعتی بزرگ تو کٹی ہوئی وہ پتنگیں ہیں جن کی ڈور کسی کے ہاتھ میں نہیں اور یہ یونہی فضاء میں سستی وغیر معیاری چرس پینے والوں کی طرح لڑھکتے ہی رہیں گے۔ ایسے ہی حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ (بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور) نے بھی ان سے مکمل بائیکاٹ فرما دیا تھا، چنانچہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> ”تمام اکابر دیوبند نے مولوی غلام اللہ خان اور ان کی پارٹی سے انقطاع کر لیا تھا، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کی کوشش سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے تمام خلفاء اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری، بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور نے مولوی غلام اللہ خان صاحب کے سالانہ جلسہ سے بائیکاٹ کر دیا تھا، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے ان کے جلسہ میں جانا چھوڑ دیا تھا، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ اور مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ وغیرہ اکابر جمعیت ان کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔ مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے علماء و زعماء حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے زور و شور سے ان کی مخالفت شروع کر دی تھی ابن امیر شریعت مولانا حافظ المنعم شاہ صاحب بخاری ان کے سخت مخالف تھے۔ ان کی زبان سے خود میں نے ملتان میں مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے خلاف سخت الفاظ سنے تھے، تحریری اور تقریری مناظرات پر نوبت پہنچ گئی۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے سب سے زیادہ اس پارٹی کے خلاف مہم چلائی، مناظر اسلام حضرت مولانا لعل حسین اختر نے ان کو مناظرے کا چیلنج دیا اور علامہ خالد محمود صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے علماء حق کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور شاہ صاحب بخاری کی طرف سے مناظرہ کے چیلنج کے جواب میں بندہ نے ان کے نام کھلی چٹھی میں چیلنج قبول کیا۔“ (کشفِ خارجیت (طبع اول) صفحہ نمبر ۱۷۴، جون ۱۹۸۵ء، چکوال)

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی اس عبارت میں بھی علاوہ دیگر حقائق کے علامہ صاحب کی خدمات اس مسئلہ پر حساسیت اور اہل حق کی حمایت میں بھرپور حصہ لینے کا اعتراف موجود ہے۔ اس ساری تفصیل

کے بیان کا اصل دعویٰ یہ ہے کہ علامہ صاحب کا شمار ان اسلاف اہل سنت میں ہوتا ہے جو اول روز ہی سے اس فتنے کی روش کا اندازہ لگا کر جان گئے تھے کہ راکھ سے اٹھتا ہوا یہ دھواں جب شرر بار ہوگا تو اس کی لپیٹ میں کیا کچھ آ جائے گا۔

چنانچہ علامہ صاحب نے ''مدارک الاذکیاء فی حیاتِ الانبیاء'' مسمّٰی بہ ''مقام حیات'' لکھ کر شائع کی جس کے پہلے اڈیشن میں اختصار جبکہ دوسرے اڈیشن میں سینکڑوں مزید حوالہ جات شامل کر کے امت کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اس کتاب جب پہلا اڈیشن شائع ہوا تھا تو اس کے جواب میں فریق ثانی کی جانب سے مولانا قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) نے ''مسالک العلماء فی حیات الانبیاء'' لکھ کر شائع فرمائی مگر حضرت قاضی صاحب کی مجذوبانہ طبیعت نے اس جوابی کتاب میں علامہ صاحب ہی کے موقف کی تائید کر دی اور یوں متذکرہ کتاب اشاعتی طبقہ کے لیے ایک دردِ سر بن کر رہ گئی۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''(مقامِ حیات) پہلی بار ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ میں چھپی۔ اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے ''مسالک العلماء'' لکھی۔ قاضی صاحب اس میں کسی مسلک پر جم نہیں سکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے جھٹ اس پر دستخط کر دیئے۔ اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسئلہ زیر بحث میں اختلاف اتنا نہیں ہے، جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پر پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے؟ پنجاب کی اس معرکہ آرائی پر جب ربع صدی گزری اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آراء رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ کر بھیجا...... پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتیوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دارالعلوم دیوبند اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مماتیوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے۔ اب دارالعلوم دیوبند کا یہ حالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات النبی ﷺ کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتیوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آ گری ہے۔'' (مقام حیات، صفحہ ۷۰۹، مطبوعہ ۱۹۹۳ء، لاہور)

۱۹۶۲ء میں جب پہلی بار ''مقامِ حیات'' شائع ہوئی تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے حرف بہ حرف پڑھ کر اس کی تائید فرمائی تھی۔ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ نے علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کے نام اپنے خط میں تاثرات کا یوں اظہار فرمایا:

> ''سلامِ مسنون نیاز مقرون، گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ میں شعبان، رمضان اور اوائلِ شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔ یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی میں سفر میں ہی ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں۔ کل دیوبند پہنچوں گا۔ ان شاء اللہ۔ ''مقام حیات'' جیسے موقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے، طرز بیان انتہائی بلیغ، موثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت وحقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت و اعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے حق تعالیٰ آپ کی نصرت دارین میں فرما کر آپ کو سربلند اور رفیع المرتبت بنائے آمین۔ والسلام'' (مکتوب مشمولہ ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور ۱۴، ستمبر ۱۹۶۲ء)

اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ تحریک تنظیم اہل سنت پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کے اسٹیج سے اشاعتی فرقہ کے خلاف علامہ خالد محمود جیسی ذی مرتبت اور ذی وقار شخصیت نے ''مقامِ حیات'' جیسی علم افروز کتاب لکھ کر ملت کی رہنمائی کی۔ اس کتاب کا انداز تحریر بڑا دلچسپ اور علم و ظرافت کی آمیزش سے بھرا ہوا ہے۔ پڑھنے والے کو یہ کتاب تھکنے نہیں دیتی اور جس طرح اچھا تیراک پانی کی لہروں سے کھیلتا اور موجوں کو چیرتا ہوا دریا کے اس پار جا پہنچتا ہے یہ کتاب بھی اپنے قاری کو ایسے ہی سلامتی کے ساحل پر پہنچا دیتی ہے۔

جمعیت علماء اسلام اشاعتی فرقہ کے خلاف میدانِ عمل میں، اور حضرت علامہ صاحب کے علمی مقام کا اعتراف

سب سے پہلے اشاعتی فرقہ کا ناطقہ بند کرنے کی کوشش کرنے والوں میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا کردار ہے اور اس کے ذیل میں مجلس احرارِ اسلام کے قائدین بھی شامل ہیں، حضرت مولانا

سید عطاالمنعم شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے ملک بھر میں زوردار تقریروں میں مسئلہ حیات النبی ﷺ عوام کو سمجھایا اور جلالی لب ولہجہ میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے غلط نظریہ کی ٹھوس براہین کے ساتھ تردید کرنے کا فریضہ سرانجام دیا، مولانا سید عطاالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنے دور خطابت میں اس موضوع پر خوب تقریریں کیں، بالخصوص جتنا عرصہ گجرات میں جمعۃ المبارک کے خطبات دیتے رہے ان میں پوری ہمت وولولہ کے ساتھ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی حیات برزخی کے منکرین کا تعاقب جاری رکھا۔

دوسرے نمبر پر تحریک تنظیم اہل سنت کے اکابر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے مخصوص موضوع (مدحِ صحابہ کرام اور تردید شیعیت) کے ساتھ ساتھ مسئلہ حیات النبی ﷺ کو بھی اپنے موضوع کا حصہ بنایا اور خصوصاً علامہ خالد محمود رحمہ اللہ اور مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ نے ملک بھر میں اپنی گرج دار اور دلائل و برھان سے مزین آوازوں کے ساتھ اہل باطل کے دل دہلا دیئے۔ بلاشبہ ان حضرات کے احسان تلے اہل دیوبند دبے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ہم یہ بات لکھ آئے ہیں کہ اگرچہ شروع شرع میں مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ اور علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ نے نرم پالیسیوں کے ساتھ اشاعتی فرقہ کے لوگوں سے رہ رسم جاری رکھی مگر جلد ہی انہیں اس کے نقصانِ عظیم کا ادراک ہوا تو انہوں نے بھی بائیکاٹ کردیا اور مولانا بخاری مرحوم نے بھی ''حیات الاموات'' نامی کتاب لکھ کر شائع کردی۔ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم سے مندرجہ ذیل تین کتابوں نے اپنا بے مثل اور لازوال کردار ادا کر کے اہل سنت کی ڈگمگاتی کشتی کو اشاعتی فرقہ کے بھنور سے نکالنے میں نمایاں کردار ادا کیا تو غلط نہ ہوگا۔

۱۔ مقام حیات ...... علامہ خالد محمود رحمہ اللہ

۲۔ رحمت کائنات ...... مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ (اس کا پہلا اڈیشن مختصر تھا، بعد میں اضافہ جات کے ساتھ شائع کی گئی)

۳۔ حیات الاموات ...... مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ

علامہ تونسویؒ اور دیگر تنظیمی مناظرین ومبلغین کی تقریریں اس کے علاوہ ہیں جنہوں نے تصحیح عقائد میں اپنا حصہ ڈال کر دارین کی سعادتیں سمیٹیں، اللہ تعالیٰ سب کی کاوشوں کو شرف قبول بخشے۔ اللھم آمین

تیسرا مرحلہ جمعیت علماءِ اسلام کی خدمات کا ہے۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ ہفت

روزہ ''ترجمانِ اسلام'' میں مسلسل مضامین و مقالات اور تازہ بہ تازہ روداد یں شائع کر کے اہل حق کی قیادت کرتے رہے۔ مگر جب فریق ثانی کی جانب سے اصلاح کی تمام کوششوں کا جواب ہٹ دھرمی اور عناد کے ذریعے دیا گیا تو اب جمعیت کے اکابرین نے جماعتی قوت کے ساتھ ان کا علاج شروع کر دیا، اس کی از اول تا آخر مکمل تفصیلات کا تو یہ موقع نہیں، اپنی بساط کی حد تک ''مظہر کرم'' کے اندر ہم نے اس عنوان پر خامہ فرسائی کی ہے، یہاں اختصار کے ساتھ ان تمام واقعات و واردات کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ جمعیت علماء اسلام نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے اس عنوان پر کتاب لکھنے کی فرمائش کی اور اُسے جماعتی اجلاس میں پیش کرنے کا کہا، تاکہ متذکرہ کتاب کو جماعتی حیثیت کے طور پر پیش کیا جاسکے۔ یہاں ایک عام اور سادہ سوال دماغوں میں پیدا ہوسکتا ہے کہ علامہ صاحب کی ''مقام حیات'' کے ہوتے ہوئے ارباب جمعیت نے نئی تصنیف کروانے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ صاحب نے یہ کتاب علماء کرام اور خواص کے فہم کو سامنے رکھ کر لکھی تھی، کیونکہ جس زمانہ میں علامہ صاحب یہ کام کر رہے تھے اس وقت یہ مسئلہ صرف خواص تک محدود تھا، اس لیے کہ ۱۹۵۸ء میں شاہ صاحب مولانا عنایت اللہ کی جانب سے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا گیا تو ٹھیک چار سال کے اندر اندر علامہ صاحب نے ان کی تردید اور عقیدہ ہذا کی توضیح پر مشتمل کتاب لکھ ڈالی تھی، بلکہ چھپوا کر اہل علم تک پہنچ بھی چکی تھی۔ کیونکہ ہفت روزہ 'دعوت'' لاہور بابت اگست، ستمبر ۱۹۶۲ء کے شماروں میں ''مقام حیات'' کے تشہیری اشتہارات موجود ہیں، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تب تک یہ کتاب منصہ مشہود پر آچکی تھی۔

اس لیے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے عوامی اور سادہ انداز ہ میں کتاب تصنیف فرمائی جس نے ''تسکین الصدور فی احوال الموتی فی البرزخ والقبور'' کے نام سے شہرت پائی، اور اس کے پہلے صفحہ پر ہی لکھا گیا کہ:

> ''حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ایم اے نے ایک عمدہ، مدلل اور بہترین کتاب ''مقام حیات'' لکھ کر اہل علم کی علمی تشنگی بجھائی ہے...... مجموعی اعتبار سے یہ عمدہ اور ٹھوس کتاب ہے اور ہم نے بعض حوالوں میں اس سے استفادہ کیا ہے۔'' (تسکین الصدور، صفحہ نمبر ۷۷)

مندرجہ بالا عبارت کو بار بار پڑھیے۔ علامہ صاحب کی کتاب کو عمدہ دلائل سے مزین، بہترین، ٹھوس اور اس کے حوالوں سے مستفید ہونے کا اقرار اس شخصیت کی جانب سے ہو رہا ہے جو بہ ذاتِ خود علم و فضل کا بحر بیکراں تھے، جنہوں نے پچاس سال سے زائد عرصہ تک مسند تدریس کو شرف بخشا،

اور جن کے جواہر ریز قلم سے درجنوں کتابیں بار بار زیور طباعت سے آراستہ ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ اور جنہوں نے ہر باطل فرقہ سے چومکھی لڑائی لڑی تھی اور حق کا پھریرا سدا بلند سے بلند کیے رکھا...... اس لیے اس قدر ذی حشم اہل علم کا اقرار و اعتراف بھی علامہ صاحب کی عظمت علمی پر ایک ناقابلِ تردید ثبوت ہے ...... بہرکیف ۱۹۶۲ء کے دور قیام کرشن نگر، لاہور کی یادوں میں سے ایک ''مقام حیات'' بھی ہے جس میں علامہ صاحب کا قلم اور علم اپنی پوری اٹھان کے ساتھ جلوہ گر ہوئے ہیں اور اس جلوہ گری کے نظارے رہتی دنیا تک اہل انصاف کرتے رہیں گے، البتہ حاسدین اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ حاسد اپنے محسود کے مرنے کے بعد بھی نذرِ آتش ہی رہتا ہے۔ اس لیے حساد سے انصاف کی امید رکھنا ببول کے درخت سے آموں کی توقع رکھنے کے مترادف ہے۔

؎ حاسد حسد کی آگ میں ہمیشہ جلا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

۱۹۶۲ء کے سال میں علامہ صاحب کے چند اہم تبلیغی دورے

ایم اے او کالج میں تدریس، سول سیکرٹریٹ کی جامع مسجد میں خطبات جمعۃ المبارک، کرشن نگر اور اندرون لاہور میں مرزائیوں سے مناظرے اور اہل تشیع کے ساتھ مجلسی مباحثے، نیز تصنیف و تالیف کی جان توڑ کوششوں اور بے انتہا مصروفیات میں سے علامہ صاحب بیرونِ لاہور دور دراز کے اسفار کر کے جلسوں میں شمولیت کے لیے بھی وقت نکالا کرتے تھے۔ یہ اسفار تانگوں، بسوں، سائیکلوں اور بذریعہ ٹرین ہوا کرتے تھے۔ ہماری معلومات کے مطابق علامہ صاحب نے پہلا ہوائی سفر مؤرخہ ۱۱، جولائی ۱۹۶۴ء کو کیا تھا جب آپ اور علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ لاہور سے ہوائی جہاز کے ذریعے کوئٹہ میں منعقد ہونے والی سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے اور مذکورہ سفر کی اطلاع ہفت روزہ ''دعوت'' کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمبر، بابت ۱۷، جولائی ۱۹۶۴ء کے صفحہ نمبر ۱۶ پر شائع ہوئی تھی ...... ۲۶ تا ۲۸، اکتوبر ۱۹۶۲ء کو تین روزہ کانفرنس انجمن اہل السنۃ والجماعۃ شیخوپورہ کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تھی جس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ، اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کے ساتھ علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا نام بھی جلی حروف میں زیب اشتہار ہوا تھا۔ اس خطاب میں علامہ صاحب نے ''پاکستان میں مسیحیت کے اڈے'' کے موضوع پر خطاب

فرمایا تھا، اور دورانِ خطاب مولانا لعل حسین اختر اور شورش کاشمیری موجود تھے۔ اس سے قبل مؤرخہ ۱۰، اکتوبر ۱۹۶۲ء کو شیرانوالہ دروازہ لاہور میں تنظیم اہل سنت کا ایک اہم بڑا اجلاس منعقد ہوا تھا جس کا مقصد فتنہ انکارِ حدیث کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی روک تھام کے لیے غور و خوض کرنا تھا، علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کو اجلاس ہذا میں مدعو کر کے فکر انگیز گفتگو فرمائی تھی، اس کی روداد سید افتخار احمد نے قلمبند کر کے شائع کی تھی جو اس دور میں تنظیم اہل سنت لاہور کے جنرل سیکرٹری تھے۔ مؤرخہ ۲۳، ۲۴ نومبر ۱۹۶۲ء کو مدرسہ تعلیم القرآن، مرکزی جامع مسجد نوشہرہ میں ایک بڑا اجتماع منعقد ہوا تھا، اس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی صدارت میں رات کو علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے سورۂ اخلاص کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں دو گھنٹے ایسا مدلل بیان فرمایا تھا کہ اسٹیج پر موجود زعماء اسلام جھوم اٹھے۔ اس خطاب کے دوران حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی، مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ اور مولانا سید گل بادشاہ رحمہم اللہ موجود تھے۔ اس خطاب میں علامہ صاحب نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بقدرِ طاقت بشری، انسان اپنے اندر جمع کرنا چاہے تو کن مجاہدات سے گزر کر وہ جمع کرسکتا ہے؟ مزید یہ کہ چار صفات سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اندر جمع کی تھیں جس میں وہ اس امت کے اندر بلا شرکت غیرے اختصاص رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ خلافت اول کے بھی حق دار ہیں۔ سورۂ اخلاص کی تشریح میں عقل و نقل کے موتیوں میں سے خلافت بلا فصل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا استدلال و استنباطِ علماء کرام اور عوام کے لیے موجب مسرت اور حیران کن تھا۔ کاش یہ مکمل خطاب کہیں محفوظ ہوتا، اس کی روداد اس زمانہ میں شیخ عبدالشکور نوشہروی نے شائع کی تھی۔ مؤرخہ ۲۵، اکتوبر ۱۹۶۲ء بروز جمعرات حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ جامعہ اشرفیہ، لاہور کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے تھے تو علماءِ لاہور نے حضرت علامہ صاحب کی قیادت میں لاہور ریلوے اسٹیشن پر حضرت قاری صاحب کا تاریخی استقبال کیا تھا۔ رات کو جامعہ اشرفیہ میں زندہ دلانِ لاہور کا ایک جم غفیر تھا جب حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ سے قبل علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو دعوتِ خطاب دی گئی تو آپ نے مذہب اہل سنت کی حقانیت و صداقت پر ایمان افروز خطاب فرمایا تھا، آپ کے خطاب کے دوران جامعہ کی فضا علماء دیوبند زندہ باد کے نعروں سے گونجتی رہی تھی، اس کی روداد سید افتخار احمد، ناظم نشر و اشاعت تنظیم اہل سنت نے قلمبند کی تھی۔ ۳۰، ۳۱ اکتوبر ۶۲ء کو طیب کالونی ملتان روڈ لاہور میں اور مؤرخہ ۶، نومبر ۶۲ء کو نواں کوٹ لاہور میں علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کے جلسوں نے ایک دھوم مچا دی تھی جن میں آپ نے اہل تشیع کے بدنام زمانہ ترجمہ مقبول کے خلاف مجاہدانہ آواز بلند فرمائی تھی (اس کے کچھ احوال آمدہ سطور میں آئیں گے)۔

علامہ صاحب کے نام گمنام خطوط کا سلسلہ

۱۹۶۲ء کے دور میں جبکہ حضرت علامہ صاحب کی تمام تر دوڑ دھوپ اشاعتِ اسلام اور حقانیتِ اہل سنت کے اثبات و ترویج میں ہو رہی تھی اور آپ رحمہ اللہ تحریر و تقریر کے ذریعے نہایت محتاج انداز میں اپنا کام کیے جا رہے تھے۔ ایسے میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دھمکی آمیز اور دل برداشتہ کردینے والے خطوط کا تانتا بندھ گیا تھا۔ ایسے دل آزار خطوط میں سے چند ایک کاتب السطور کی نظر سے گزرے ہیں جنھیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مثبت اور خالص علمی وفکری انداز میں دینی کام کرنے والوں کو بھی بعض اوقات اخلاقی پستی کے شکار لوگوں سے پالا پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اس دور میں تنظیم اہل سنت کرشن نگر، لاہور کے سیکرٹری چوہدری محمد صدیق کھوکھر مرحوم نے ''گم نام خطوط'' کے زیرِ عنوان لکھا تھا:

''مدیر ''چٹان'' آغا شورش کاشمیری صاحب کے نام گمنام خطوط کا سلسلہ ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ہفت روزہ ''دعوت'' کے سرپرست اعلیٰ مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب ایم اے کے نام بھی گم نام خطوط آنے شروع ہو گئے ہیں۔ ان خطوط سے اہل باطل اور بدعت گردوں کی بوکھلاہٹ اور جہالت عیاں ہو جاتی ہے۔ واقعی یہ دین فروش، بدعت کے بیوپاری اور دار التکفیر کے مجاور نہایت پست ذہنیت کے مالک ہیں، ان میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ خط کے نیچے اپنا نام اور پتہ ہی لکھ دیں۔ دراصل جو لوگ محبت رسول کے تاجر بن کر اور بزرگوں کے مزارات کے مجاور بن کر ان کا نام بیچ بیچ کر کھا رہے ہوں اُن میں اتنی ہمت ہی کہاں کہ علی الاعلان حق کے مقابلہ میں بدعت کا علم لے کر نکلیں۔ انہیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ علی الاعلان اہل سنت کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے تو انہیں منہ کی کھانا پڑے گی۔ پھر ہمارے لیے پاکستان میں کوئی جگہ نہیں ہوگی، پھر خانقاہوں کے حجروں میں بسیرا کرنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کھل کر سامنے نہیں آتے بلکہ چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں بیٹھ کر آوازیں نکال رہے ہیں۔ ان بدعتیوں کے مذہب اور مسلک میں صداقت کی کوئی کرن ہوتی تو یہ گم نام خطوط یوں نہ لکھتے اور اتنے گندے اخلاق کا مظاہرہ نہ کرتے۔'' (ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور، صفحہ نمبر ۱۰، ۲، نومبر ۱۹۶۲ء)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کی پاکستان آمد کا حال جو گزشتہ سطروں میں گزرا، اسی سفری شیڈول میں شورش کاشمیری مرحوم نے بھی مؤرخہ ۲۷، اکتوبر ۶۲ء کو لاہور میں دعوتِ طعام کا انتظام کیا تھا جس میں اکثر اکابر و زعماء ملت کی موجودگی میں علامہ صاحب نے دار العلوم دیوبند اور خاندان قاسمی کا تعارف نہایت خوبصورت انداز میں سامعین کے سامنے رکھا تھا۔ اس کی مکمل روداد

اس زمانہ میں ''چٹان''، ''دعوت'' اور ''خدام الدین'' وغیرہ میں شائع ہوئی تھی۔ اسی ۶۲ء والے سال میں آپ رحمہ اللہ نے کرشن نگر میں مزید ایک ہفتہ وار درس قرآنِ مجید کا آغاز بھی کر دیا تھا جو فرینڈز پرئیر سرکل کے زیرِ اہتمام منعقد ہوتا تھا اور اس درس کی ایک منفرد اور اضافی خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں علامہ صاحب کلام اقبال کی شرح فرماتے تھے۔ محمد عرفان عثمانی نے اس درس قرآنِ مجید کی تشہیر کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور حضرت علامہ صاحب کی عدم موجودگی میں مولانا محمد الیاس (خطیب جامع مسجد پٹولیاں) اور مولانا منظور الحق صاحب، (خطیب سعدی پارک) درس ارشاد فرماتے تھے۔ اسی دور میں میاں چنوں ضلع خانیوال میں ایک ''ادارہ اشاعت دین قیم'' کے نام سے معرض وجود میں آیا تھا جس کے زیرِ اہتمام تین روزہ کانفرنس میں علامہ صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کے خطبات کا اہل علاقہ کو سال بھر انتظار رہتا تھا، اس کانفرنس کے انعقاد میں مولانا عبد الرشید ارشد مرحوم کا نمایاں کردار ہوتا تھا۔ اور وہی مذکورہ ادارہ کے بانی بھی تھے۔

لاہور میں ''تبلیغ نماز کمیٹی'' کا قیام اور علامہ صاحب کی سرپرستی

۱۹۶۲ء ہی کے سال میں اندرون لوہاری گیٹ میں حضرت علامہ صاحب کی زیرِ سرپرستی حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے ایک ''تبلیغ نماز کمیٹی'' کی بنیاد رکھی تھی۔ علاقہ کے نوجوانوں اور عام مسلمانوں کو ترغیب نماز دینے اور عملاً نمازی بنانے میں اس کمیٹی کا کسی دور میں اہم کردار رہا ہے۔ اس کمیٹی کے صدر قاری محمد صابر (سابق خطیب مکی مسجد، انارکلی) نائب صدر جناب رشید احمد (جالندھر موتی چُور والے) سیکرٹری محمد رمضان پھول فروش چوک بخاری جبکہ خزانچی محمد جمیل خان کیفی ہوا کرتے تھے۔ اس کمیٹی کا طریقہ کار یہ تھا کہ روزانہ قبل از نماز فجر چند اراکین گشت کیا کرتے تھے اور بعد از نماز عشاء تعلیم نماز کے عنوان پر ایک درس خاص ہوا کرتا تھا، متذکرہ کمیٹی نے اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں حضرت مولانا محمد عبید اللہ انور رحمہ اللہ کو اپنے ہاں دعوت دی تھی تو علامہ صاحب نے اراکین کمیٹی کو ایک سپاسنامہ لکھ کر دیا تھا، جو مطالعہ کرنے کے لائق ہے، ملاحظہ کیجیے:

''بخدمت گرامی، مخدوم مکرم، اسوۃ الصلحاء، عمدۃ العلماء جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالیٰ''

گرامی منزلت۔ آپ کی تشریف آوری ہمارے لیے باعث صد افتخار اور موجب صد خیر و برکت ہے۔ یقین جانیے! آپ کی تشریف آوری سے ہم پھولے نہیں سمائے آپ کا وجود گرامی مذہب و ملت اور طریقت کی امانت ہے اور آپ اس جلیل القدر عالم باعمل، عظیم

المرتبت شیخ، مایہ ناز ہادیٔ دوراں کے فرزند ارجمند اور جانشین ہیں، جنہوں نے اس گئے گزرے دور میں دینی صداقتوں کا علم بلند کیا۔ آپ کی رگوں میں اس شیخ بے مثال کا خون دوڑ رہا ہے، جس کا دل خدا کے دین کی سربلندی کے لیے دھڑکتا تھا اور جس کی نبضیں صرف سنت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پھریرا فضائے آسمانی میں لہراتا دیکھنے کے لیے حرکت کرتی تھیں۔

سید المحترم! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں مایوسی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا اور آپ کی ذرہ نوازی سے ہماری دلی تمنا برآئی ہے۔ چنانچہ آج کی مجلس اس حقیقت کا کامل آئینہ دار ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ ہماری طلب، طلب صادق ثابت ہوئی۔ مخدومنا! آپ قطب الاقطاب، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ کے مسند نشین ہیں۔ جنہوں نے پوری نصف صدی تک لاہور کے طاقِ عظمت پر دین حق کا چراغ روشن رکھا۔ ہم آپ کی موجودگی میں عہد کرتے ہیں کہ جب تک ہم زندہ ہیں اور ہماری رگوں میں خون کا آخری قطرہ دوڑ رہا ہے، ہماری زندگیاں حضرت شیخ رحمت اللہ علیہ کے مشن کی تکمیل کے لیے وقف رہیں گی۔ چنانچہ اس کی ابتداء ''تبلیغ نماز کمیٹی'' کے قیام سے کی گئی ہے۔ ہم تمام نیاز مند آپ سے ملتجی ہیں کہ اس کمیٹی کی سرپرستی قبول کر کے آپ ہماری دست گیری فرمائیں اور دعواتِ صالحہ میں ہمیں ہمیشہ یاد رکھیں۔

منجانب! اراکین تبلیغ نماز کمیٹی، بخاری چوک اندرون لوہاری گیٹ، لاہور۔

نماز کی ترغیب و تعلیم پر مشتمل اس کمیٹی کے قیام میں علامہ صاحب کا اپنا ذوقِ نماز بھی کارفرما رہا ہے، لازمی بات ہے کہ جب تک انسان خود کسی کام کا جذبہ اور ذوقِ سلیم نہ رکھتا ہو، تب تک وہ اصلاح و تغیر کی معقول کوششوں کا حصہ نہیں بن سکتا، چنانچہ علامہ صاحب نماز کی پابندی اس شان کے ساتھ فرماتے تھے کہ ملاحظہ کرنے والوں کو رشک آتا تھا، باجماعت نماز کا اہتمام، پھر قیام و رکوع اور سجود میں کامل وارفتگی اور بعد از نماز کافی دیر تک دعاء و مناجات کا انہماک علامہ صاحب کا دیدنی ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ حیات مستعار کے آخری سالوں میں جب جامعہ اشرفیہ، لاہور یا اپنے مکان واقع سنت نگر میں قیام فرماتے تو بمشکل تمام وضو وغیرہ کے عمل سے فراغ پانے کے باوجود باجماعت نماز کا اہتمام فرماتے تھے۔ اور یوں آپ کا یہ فریضہ عملی پتہ دیتا تھا کہ شاہِ باخبر کی بارگاہ عالیہ میں آدابِ حاضری کے تقاضے کیسے پورے کیے جاتے ہیں۔ (جاری ہے)

❁❁★❁❁

یادِ رفتگاں

مولانا سید عصمت شاہ کاظمیؒ

مختصر احوال زندگی

حافظ عبدالجبار سلفی۔ لاہور

تحریک خدام اہل سنت والجماعت کے پرانے سرگرم عالم دین اور مرکزی مبلغ مولانا سید عصمت شاہ کاظمی بھی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شاہ صاحب جو گونا گوں صفات سے متصف ایک درویش طبع، سادہ مزاج، مخلص اور علم و تحقیق کے دلدادہ عالم دین تھے۔

آپ مؤرخہ ۲۲، اکتوبر ۱۹۵۰ء کو بمقام گڑھی حبیب اللہ ضلع مانسہرہ میں سید گل بادشاہ احراری کے ہاں پیدا ہوئے۔ شنکیاری کی مرکزی جامع مسجد سے حفظ قرآن مکمل کرنے کے بعد دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور تشریف لائے اور یہاں گردان مکمل کر کے شاہ کوٹ میں مولانا عبدالحفیظ سے فارسی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ پھر جامع مسجد پٹولیاں لاہور میں حضرت مولانا محمد الیاس حضروی رحمہ اللہ کے پاس آکر مقیم ہوگئے اور مشکوٰۃ شریف تک کتب انہیں سے پڑھیں اور ۱۹۷۲ء میں جامعہ مدنیہ لاہور سے دورۂ حدیث شریف مکمل کیا۔ رسمی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد عملی زندگی کا آغاز ہوا تو بورے والا ضلع وہاڑی کی ایک مسجد میں امام وخطیب کے منصب پر خدماتِ دین سرانجام دیتے رہے۔ یہاں ایک اہل حدیث عالم سے مباحثہ کی نوبت آگئی تو تیاری کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کی خدمت میں چلے گئے اور یہ پہلی ملاقات مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ کے ساتھ مستقل تعلق و محبت کا روپ دھار گئی۔ بورے والا میں دو سال قیام کے بعد پھر کہوٹہ (اسلام آباد) سے متصل ایک گاؤں ''ناڑہ'' میں تین سال رہے۔ وہاں سے میانوالی شہر آگئے اور ۱۹۸۰ء تک امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دیئے۔ بعد

از اں حافظ آباد کے مشہور قصبہ ''جلن'' میں خطیب کے طور پر تشریف لائے یہاں اپنی جگہ خرید کر مکان تعمیر کروایا تو ساتھ ہی قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین ؒ کے حکم پر قصبہ بھون (چکوال) کی جامع مسجد میں خطابت شروع کردی جس کا دورانیہ دو سال سے زیادہ نہیں ہے، واپس حافظ آباد تشریف لے آئے اور خانقاہ ڈوگراں پر موضع ''جوڑیاں'' میں جمعۃ المبارک پڑھانے لگے۔ اس دوران پنڈی بھٹیاں بائی پاس کے قریب جگہ خریدی، ۱۰ مرلہ میں مسجد اور ۱۴ مرلے مدرسہ کے لیے مختص کردیے جبکہ ۱۰ مرلہ ذاتی رہائش کے لیے بھی ساتھ ہی خرید لیے اور یہاں اپنے کام کا آغاز کردیا۔ اب یہاں مدرسہ امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے نام سے مدرسہ آباد ہے۔

ایک سال تقابل ادیان کا کورس پڑھانے کے لیے بندہ کا یہاں جانا ہوا تھا۔ شدید بارشوں کا زور تھا اور ہر جگہ سیلاب کے مناظر تھے۔ چنانچہ شاہ صاحب مرحوم کا مدرسہ بھی چاروں جانب سے پانی میں گھر گیا تھا جب بندہ بائی پاس کے قریب پہنچا تو شاہ صاحب کے طلبہ ایک گدھا ریڑھی، جس کے آگے تین عدد طلبہ جتے تھے، پر راقم الحروف کو بٹھا کر مدرسہ میں لے گئے تھے۔ شاہ صاحب ؒ کے والد مرحوم کا تعلق مجلس احرار اسلام سے تھا جبکہ شاہ صاحب خود جمعیت علماء اسلام کے اکابرین سے وابستہ ہوگئے تو یہاں قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین ؒ کے گرویدہ ہوگئے اور مستقبل میں یہی گرویدگی آپ کو تحریک خدام اہل سنت میں لے آئی، شاہ صاحب کتابی آدمی تھے۔ تحریک کے جلسوں میں بارہا مرتبہ ہماری ملاقاتیں ہوتیں اور علم افروز گفتگو ہوتی تھی۔ ان سے آخری بار ۲۹ر صفر ۱۴۴۲ھ کو بلکسر ضلع چکوال کے سالانہ جلسہ میں ملاقات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا اور وہ بڑھاپے کی اذیتوں سے محفوظ رہے۔ ایک دن بھی چارپائی پر نہیں لگے، مؤرخہ ۲۳ر نومبر ۲۰۲۰ء کو ہارٹ اٹیک ہوا اور دارفانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کوچ کرگئے۔ حضرت مولانا قاری ابوبکر صدیق صاحب جہلمی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور گاؤں جوڑیاں حافظ آباد میں تدفین ہوگئی۔ رہے نام اللہ کا

✪✪★✪✪

ماہنامہ حق چار یار لاہور جسٹرڈ نمبر CPL26

التذکرۃ الحسنۃ فی ذکر مصلح اہل البدعۃ والرفضۃ الموسوم بہ

سوانح حیات

مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہؓ
حضرت مولانا
قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

فرزند ارجمند: رئیس المناظرین ابو الفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ

بانی: تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان

سعادت تصنیف
مولانا حافظ عبد الجبار سلفی

چکوال کے ایک عظیم المرتبت خاندان کے قابل فخر فردِ فرید، جس نے دار العلوم دیوبند سے سند علم اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خلعتِ خلافت حاصل کی، جس نے اپنے حجرۂ فقر میں بیٹھ کر قصر شاہی کے مسند نشینوں کو سُنّی حقوق کی طرف متوجہ کیے رکھا، جس نے لطف ولذت سے کنارہ کش ہو کر صبر و عزیمت کے کوہسار کھڑے کیے۔

تحفظ ختم نبوت، دفاع ناموس صحابہ کرامؓ، حرمت ازواجِ رسولؐ اور مقام اہل بیتؓ کے تفہیمی محاذوں پر پُر جوش کردار ادا کرنے اور مرزائیت، رافضیت، خارجیت وناصبیت سمیت الحاد وزندقہ کے پیدا کردہ ہر منظر کو دھندلا کر رکھ دینے والے درویش خدا مست، عالم باتوقیر، عامل روشن ضمیر، مخلص پُر تدبیر، صوفی خدا رسیدہ اور شیخ برگزیدہ کا علمی، تحریکی، سیاسی اور سماجی تناظر میں ولولہ انگیز تذکرہ

صفحات: ۱۲۰۰ ...... قیمت: ۶۰۰ روپے، نٹ علاوہ ڈاک خرچ 0312-4612774

عطیہ اشتہار مولانا قاری انور حسینؒ انور، مدرسہ مظہر العلوم، جامع مسجد عبد اللطیف، سماہنی ضلع بھمبر، آزاد کشمیر
0345-9733358